

JUL/AUG 2013 ISSUE

شماره جولائی/اگست ۲۰۱۳

☆
خبر و نظر
Khabr
Nazal

U.S. EMBASSY MAGAZINE
NEWS & VIEWS

فنون و ادب

ARTS & LITERATURE

BOOKS AROUND
THE GLOBE

کتاب کرہ ارض پر

A JOURNEY OF
LIBERATION

ایک آزادانہ سفر کی داستان

THE AMERICAN
WESTERN

ہمارے امریکن ویسٹرن



FACEBOOK: 1 MILLION FANS

On June 5, Deputy Chief of Mission Ambassador Richard Hoagland marked the occasion of the U.S. Embassy

REACHING 1 MILLION FANS ON FACEBOOK

with students from the National University of Modern Languages (NUML).

"TOOLS LIKE **FACEBOOK AND TWITTER** ALLOW US TO DO SO MUCH MORE THAN KEEP IN TOUCH WITH OUR FRIENDS. SOCIAL MEDIA PUTS THE POWER OF INFORMATION IN YOUR HANDS,"

- Ambassador Hoagland

5 جون کو ڈپٹی چیف آف امیسڈر مسٹر ریچرڈ ہاگلینڈ نے اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ اس امیسی کے لیے

فیس بک پر اس کے فینز کی تعداد ایک ملین تک پہنچ چکی ہے

جس میں نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (NUML) جس پر ٹولز اور ٹیوٹریا جازت دیتا ہے کہ اس بارے میں مزید کوشش کی جائے تاکہ ہم اپنے دوستوں کے ساتھ برابر رابطے میں رہیں۔ سوشل میڈیا اس انفارمیشن کی قوت کو مد نظر رکھتے ہوئے اور یہ طاقت ہاتھوں میں دی جا رہی ہے یہ بات امریکن امیسڈر ہاگلینڈ نے کہی۔

امیسی کے فیس بک پیج پر Like کیجئے۔

"LIKE" the Embassy's Facebook page. [/pakistanusembassy](https://www.facebook.com/pakistanusembassy)

خبر و نظر Khabr Nazal

U.S. EMBASSY MAGAZINE
NEWS & VIEWS

JUL/AUG 2013 ISSUE

شماره جولائی/اگست ۲۰۱۳

ایڈیٹر ان چیف
کیتھرین شالو
کونسلر فار پبلک افیئرز

Editor-in-Chief
Kathryn Schalow
Counselor for Public Affairs

منیجنگ ایڈیٹر
ریان ہیرس
پریس اتاشی اور کنٹری انفارمیشن آفیسر

Managing Editor
Rian Harris
Press Attaché and Country
Information Officer

ایسوسی ایٹ ایڈیٹر
شینا کرام
پبلک ڈپلومسی آفیسر

Associate Editor
Shayna Cram
Public Diplomacy Officer

رابطہ کا پتہ
خبر و نظر، پبلک افیئرز سیکشن

Contacting Us
Khabr-o-Nazar
Public Affairs Section
U.S. Embassy, Ramna 5, Diplomatic Enclave Islamabad, Pakistan

امریکی ایف بی آئی، رامنہ 5، ڈیپلومٹک انکلیو، اسلام آباد، پاکستان

بیک گراؤنڈ
خبر و نظر امریکی ایف بی آئی کی طرف سے شائع کردہ ایک فری میگزین ہے۔
میگزین کو بلیک باکس کانپنٹس نے ڈیزائن کیا

Background
Khabr-o-Nazar is a free magazine published by the U.S. Embassy in Islamabad.
The magazine is designed and printed by Black Box Concepts.

پتہ کی تبدیلی اور سبسکریپشن
پتہ کی تبدیلی اور سبسکریپشن کی درخواستیں infoisb@state.gov کو ارسال کیجئے۔

Change of Address and Subscriptions
Send change of addresses and subscription requests to infoisb@state.gov

ایڈیٹر کے نام خطوط
خطوط کا متن 250 الفاظ سے زائد نہ ہو اور اس میں گھسنے والے کا نام، پتہ اور دن کے اوقات کا ٹیلیفون نمبر درج
ہوں۔ تمام خطوط خبر و نظر کی ملکیت سمجھے جائیں گے اور ان کے متن میں اختصار ضروری ہے اور مطبوعہ کو واضح کرنے
کے مقصد سے اصلاح کی جائے گی۔

Letters to the Editor
Letters should not exceed 250 words and should include the writer's name, address,
and daytime phone number. All letters become the property of Khabr-o-Nazar.
Letters will be edited for length, accuracy, and clarity.

رابطہ رکھئے
خبر و نظر نیوز اینڈ ویوز
infoisb@state.gov
فون: +92 (0) 51 208 0000
+92 (0) 51 227 6607

Stay Connected
Khabr-o-Nazar News & Views
infoisb@state.gov
Phone: +92 (0) 51 208 0000
Fax: +92 (0) 51 227 6607
http: //islamabad.usembassy.gov/pakistan/khabr_o_nazar.html
Website: <http://islamabad.usembassy.gov>

http://islamabad.usembassy.gov/pakistan/khabr_o_nazar.html
ویب سائٹ: <http://islamabad.usembassy.gov>



www.youtube.com/user/usembassyislamabad



www.flickr.com/photos/usembassyypk



www.twitter.com/usembassyypkislamabad



www.facebook.com/pakistanusembassy

table of CONTENTS

فہرست مضامین

گوشہ مدیر۔ رائن بیرلس	05	Editor's Corner
قارئین کے خطوط	06	Letters to the Editor
فنون	07	Arts, Arts, Arts
ابھرتا ہوا کپیلا	08	A Cappella on the Rise
ایک آزاد سفر	10	A Journey of Liberation
ہمارے امریکن ویسٹرن	14	The American Western
پاکستانی کارکن تباہ حال خواتین کی بہتری کے لئے امریکی خدمات کی تلاشی	17	Pakistani Activist Looks at U.S. Services for Battered Women
نئے لکھنے والوں کے لئے بہترین کتابیں	18	Best Books for Aspiring Writers
کتاب کرہ ارض پر	20	Books around the Globe
امریکن تعلیمی مواقع برائے تفریح	22	American Education Opportunities Related to Entertainment
دوسرے کمروں میں دوسری حیران کن بات ایک حیرانگی ہے	24	In other Rooms, other Wonders is a Wonder to Behold
پاکستانی طلباء امریکن طلباء کو پر جوش اور بردبار سمجھتے ہیں،	27	Pakistani Student find Americans warm, Tolerant
سینما مصنفوں کو زندہ رکھتا ہے	28	Writers come Alive in Cinema
مصنفوں کی ورکشاپس	31	Writers' Workshops
ویسٹ ورجینیا، جنت کی مانند	32	Almost Heaven, West Virginia
فلبرائٹ الم کا خود کش بم حملوں کے خلاف سائنس کا استعمال	36	Fulbright Alum uses Science against Suicide Bombs

ON THE COVER

Students from Mashal Model School participated in a workshop with American artist Rachel Goldberg in April. Select works from the students will be on display at the Phillip's Collection in Washington D.C. from October-December 2013.

آن دی کور

مشل ماڈل سکول کے طلبہ نے ایک ورکشاپ کا اہتمام امریکن آرٹسٹ رچل گولڈبرگ کے ساتھ اپریل کے مہینے میں منعقد کیا اور اس سلسلے میں طلبہ کی طرف سے جو کام چٹا گیا اسے فلپ کلکشن واشنگٹن ڈی سی میں ڈسپلے کیا گیا جس کا دورانیہ اکتوبر تا دسمبر 2013 ہے۔



EDITOR'S corner

گوشہ مدیر



Dear Readers,

Since the dawn of man, humans have used creative outlets to record important messages for society. The arts are one of the purest forms of communication transforming the artist's thought and message through his or her selected medium. Whether through words, canvas, film, music, computers, or any other vehicle, the arts communicate the creative spirit of the human race.

In this issue, you'll learn about two young authors who have published books. You'll hear first-hand from Pakistani author and Fulbright alumnus Dr. Zeeshan-ul-hassan Usmani, whose book "Simulation of Suicide Bombing: Using Computers to Save Lives" has helped communities become more secure by providing valuable information about the nature of these terrible attacks. You'll also read about Daniyal Mueenuddin's "In Other Rooms, Other Wonders," a short story collection published by this Pakistani-American author.

Are you an aspiring writer yourself? If so, you'll find this issue full of valuable information and sources of inspiration. Learn about the myriad workshops available to international writers in the United States, and find a good book to hone your writing skills. You'll also hear about the best movies based upon lives of writers to help offer some insight into the minds of real authors.

In this issue, you'll also learn about the transformation of the cinematic art genre "The American Western." These films illustrate the American history of the West and provide important social commentary on views of American society as they change throughout the decades.

And have you heard about the new and popular capella singing groups in the United States? Popular shows like "Glee" have inspired thousands of singing clubs throughout the country. Perhaps after reading "Capellas on the Rise," you'll consider starting your own capella group in Pakistan!

We encourage you to explore your own artistic talents in whichever medium you prefer. Everyone has unique gifts and capabilities. We hope that this issue provides a little inspiration to help you find the best way to share your own talents with Pakistani society.

As always, we welcome your feedback and comments. Let us know if you read our issue and were inspired to discover your creative side! ■

Regards,

Rian Harris
Rian Harris

Managing Editor and Press Attaché
U.S. Embassy Islamabad
Email: infoisb@state.gov | Website: http://islamabad.usembassy.gov

قارئین کرام

نوع انسانی کے آغاز ہی سے انسان نے معاشرے کی فلاح کے لئے اہم اسباق کے تحفظ اور ترسیل کے لیے تخلیقی انداز اختیار کیا ہے۔ آرٹ وہ پاکیزہ ترین ذریعہ اظہار ہے جسے ہر تخلیق کار اپنے اپنے انداز میں اپنی فکر کی ترسیل کے لئے بطور پیغام رساں کے استعمال میں لاتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ الفاظ ہوں، کیوس ہوں، فلم، موسیقی ہو، کمپیوٹر ہو یا کوئی بھی اور دیگر ذریعہ۔ فن کے یہ مختلف ذرائع انسان کی تخلیقی فکر کے پیامبر ہیں۔

اسی اشارے میں آپ دو جوان مصنفین کے متعلق آگاہی حاصل کریں گے جو اپنی کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ سب سے پہلے آپ فل برائن سکالرڈ اکثرڈیشن اگن عثمانی سے متعلق براہ راست آشنائی حاصل کریں گے جن کی تحریر کردہ کتاب Simulation of suicide bombing: using computers to save lives مرحلہ طبع سے گزر چکی ہے۔ اس کتاب کا موضوع بہت اہم ہے۔ مصنف نے بیان کیا ہے کہ کس طرح کمپیوٹر انسانی زندگی کے تحفظ کے لئے کلیدی کردار ادا کر سکتا ہے اور انسانی آبادکار یوں کو خود کش حملوں کے تباہ کن اثرات سے محفوظ کرنے کے لئے مفید معلومات بھی فراہم کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں آپ امریکی نژاد پاکستانی مصنف دانیال معین الدین کی شائع کردہ کتاب "In Other Rooms, Other Wonders" کے متعلق بھی پڑھیں گے جو کہ مختصر کہانیوں کا ایک مجموعہ ہے۔

کیا آپ خود کو بھی متاثر کن مصنف سمجھتے ہیں؟ اگر ہاں تو پھر آپ اس اشارے کو مفید معلومات کا حامل پائیں گے جس میں متاثر کرنے کے گریبان کئے گئے ہیں۔ آپ کو متنوع ورکشاپس کے متعلق جاننے کا موقع ملے گا جن کے لکھاری امریکی مصنفین ہیں اور یہ آپ کی تحریری صلاحیتوں کو مزید اجاگر کرنے کا باعث ہوں گی۔

آپ ان نئی فلموں کے متعلق بھی معلومات حاصل کریں گے جو کہ ان مصنفین کی زندگیوں کے بارے میں ہوں گی تاکہ آپ کو حقیقی مغربی معاشرے سے متعلق جاننے کا موقع بھی ملے۔ یہ فلمیں امریکہ کے مغربی معاشرے، امریکی تاریخ اور دہائیوں سے امریکہ میں وقوع پذیر ہونے والی امریکی معاشرے کی سماجی تبدیلیوں سے پردہ اٹھاتی ہیں۔ اور کیا آپ کو امریکہ میں نئے اور مشہور "Capella" میوزک گروپ سے واقفیت ہے؟ شہرت یافتہ shows جیسا کہ Glee نے ہزاروں میوزک کلبر کو ملک بھر میں متاثر کر رکھا ہے۔ "Capellas on the Rise" کو حاصل ہونے والی آفاقی شہرت سے متعلق پڑھ کر شاید آپ کا بھی دل چاہ رہا ہو کہ آپ پاکستان میں اپنا "Capella Group" شروع کریں۔

چاہے آپ اظہار کے لیے کوئی بھی ذریعہ اپنائیں، ہم آپ کے اندر چھپے ہوئے فنکار کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ ہر فرد منفرد صلاحیتوں کا حامل ہوتا ہے۔ میدان واقف ہے کہ یہ اشارہ آپ کے دل میں جذبہ محرک کا باعث بنے گا کہ آپ بھی پاکستانی معاشرے کے لیے کچھ اچھا کریں۔

جیسا کہ ہم نے ہمیشہ آپ کے تبصرے اور آپ کی رائے کا خیر مقدم کیا ہے۔ ہمیں ضرور بتائیے گا اگر آپ نے ہمارا اشارہ پڑھا اور اپنے اندر کے چھپے ہوئے فن کو تلاش کر لیا۔ ■

آداب،

Rian Harris

رائن ہیرس

منیجنگ ایڈیٹر پریس اتاشی امریکی سفارتخانہ، اسلام آباد

Email: infoisb@state.gov Website: http://islamabad.usembassy.gov



LETTERS

to the editor

Thanks to our readers who sent in these excellent letters to Editor Rian Harris!

ایڈیٹر کے نام خطوط

میں اپنے تمام پڑھنے والوں کا شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے بہت عمدہ اور خوبصورت خطوط ارسال کیے ایڈیٹر ریان حارث

قابل احترام جناب ریان حارث صاحب

Honorable Editor,

Thank you very much for your nice support toward enrichment of my Language English. I am reading your contributed Khabr-O-Nazar periodical regularly. The periodical provided me thousands of thoughts & learning about the culture and customs of the country friend America. This magazine stitched our relation with core of the customs and their living styles. Hopefully, the continual of the Khabr-O-Nazar would be proved a beneficial to me & my kids in future to understand the public scenario of our closed country America and add enrichment of our language.

With Regards

Sawan

Dear Sawan,

Thanks for your interest in the magazine! We are glad to hear that you and your family are benefitting from learning about the culture and customs of the U.S. through Khabr-o-Nazar magazine.

Regards,

Rian Harris

قابل احترام ایڈیٹر صاحب

میں جناب ایڈیٹر صاحب کا بے حد مشکور ہوں کہ جنہوں نے مجھے اس رسالے کے پڑھنے اور سمجھنے میں قومی سطح پر میری رہنمائی کی مجھے امید ہے کہ ”خبر و نظر“ کے اندر مضمون یا مقالہ لکھنا ایک یادگار کارنامہ ہوگا اور آئندہ کے لئے بھی یہ جاری و ساری رہے گا۔ اور اس طرح مجھے اور میرے دوسرے فیملی ممبران کو امریکہ کے ساتھ روابط رکھنے میں کافی آسانی ہوگی۔ اس سلسلے میں امریکن سفارتخانہ اسلام آباد کا کردار قابل تحسین ہے جس میں تمام اسٹاف کی محنتیں اور کاوشیں شامل ہیں۔ شکریہ آپ کے تعاون کا طلبگار

ساوان سندھ

قابل احترام ساوان

میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں کہ آپ اس میگزین میں دلچسپی لیتے ہیں اور ہمیں اس بات کی بہت خوشی ہوتی ہے کہ آپ اور آپ کے دیگر فیملی ممبران اس کتاب سے فوائد حاصل کر رہے ہیں جس میں انہیں ثقافت اور امریکہ کے رسم و رواج کے متعلق پتہ چلتا رہتا ہے اور یہ معلومات رسالہ ”خبر و نظر“ کے ذریعے حاصل کی جاتی ہیں جو کہ بذریعہ ”خبر و نظر“ میگزین کے جاری ہوتی ہیں۔ شکریہ

ریان حارث

Dear Rian Harris,

I read your Editor's Corner in Khabr-o-Nazar. I will ask you if some time you will see new business people from Pakistan, like in your magazine you support studies and students. Will you also find new ways for young businessmen like me that have trouble in growth of our business and assessing new markets in the USA? In the future if you have any organizations that support business programs for young people please tell me.

Thanks and Regards,

Syed

Dear Syed,

We are glad that you have an interest in business and entrepreneurship! You will be happy to hear that our upcoming edition for November-December will exclusively cover the issue of entrepreneurship to help young aspiring entrepreneurs like yourself in business endeavors. Stay tuned!

Regards,

Rian Harris

میں ”خبر و نظر“ میں ایڈیٹر کا کام ہمیشہ پڑھتا ہوں میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ آپ پاکستان سے نئے کاروباری اغراض سے رابطہ کریں جو کہ آپ کی وساطت سے آپ کے اس میگزین میں چھپے جس طرح کے آپ تعلیم اور طلباء کو سپورٹ کرتے ہیں اور کیا آپ میرے جیسے کاروباری فرد کے لئے کوئی کاروبار کے لئے طریقہ کار متعارف کریں گے اسکی وجہ سے ہمیں کاروبار کو مزید وسیع کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور اس سلسلے میں امریکہ کی بی مارکیٹ متعارف بھی کرانیں گے آئندہ کے لئے اگر کوئی ایسا ادارہ یا محکمہ جو کاروبار کو مزید آگے بڑھانے کے سلسلے میں رہنمائی کرتا ہے جو کہ نوجوان لوگوں کے لئے ہے تو آپ برائے مہربانی اس کے بارے میں سائل کو مطلع کریں۔ جناب کی عین نوازش ہوگی

شکریہ

سید، لاہور

قابل احترام جناب سید صاحب

ہمیں یہ جان کر بہت خوشی ہوئی ہے کہ آپ کاروبار میں کافی دلچسپی رکھتے ہیں آپ کو یہ جان کر بہت خوشی ہوگی کہ ہمارا آنے والا نومبر/ دسمبر کا ایڈیشن بلاشرکت غیرے اس کاروبار کے بارے میں بہت اچھی اشاعت پیش کریگا۔ جسکی تمنا آپ جیسے کاروبار کرنے والے لوگ رکھتے ہیں اور اس کے لئے جدوجہد بھی کرتے ہیں۔ خیریت سے رہیں۔

شکریہ

آپ کا خیر اندیش

ریان حارث

ARTS arts ARTS

فنون

Pakistani Emerging Artists to Exhibit Works in the U.S.

امریکہ میں پاکستان کے اُبھرتے ہوئے مصوروں کے فن پاروں کی نمائش

From April 15 to 30, U.S. Speaker Rachel Goldberg from the Phillips Gallery led a series of artist workshops in Lahore and Islamabad for 100 Pakistani artists. As part of the program, Rachel discussed the American artist Jacob Lawrence's Migration Series with local artists and curators, and explored how art and society interact. During the artist workshops participants used this technique of storytelling and collaboration to create their own artwork that was later displayed in special exhibitions in Lahore and Rawalpindi. Select pieces from the student's work will be displayed in an exhibition at the Phillips Gallery in Washington, D.C from October to December 2013. ■

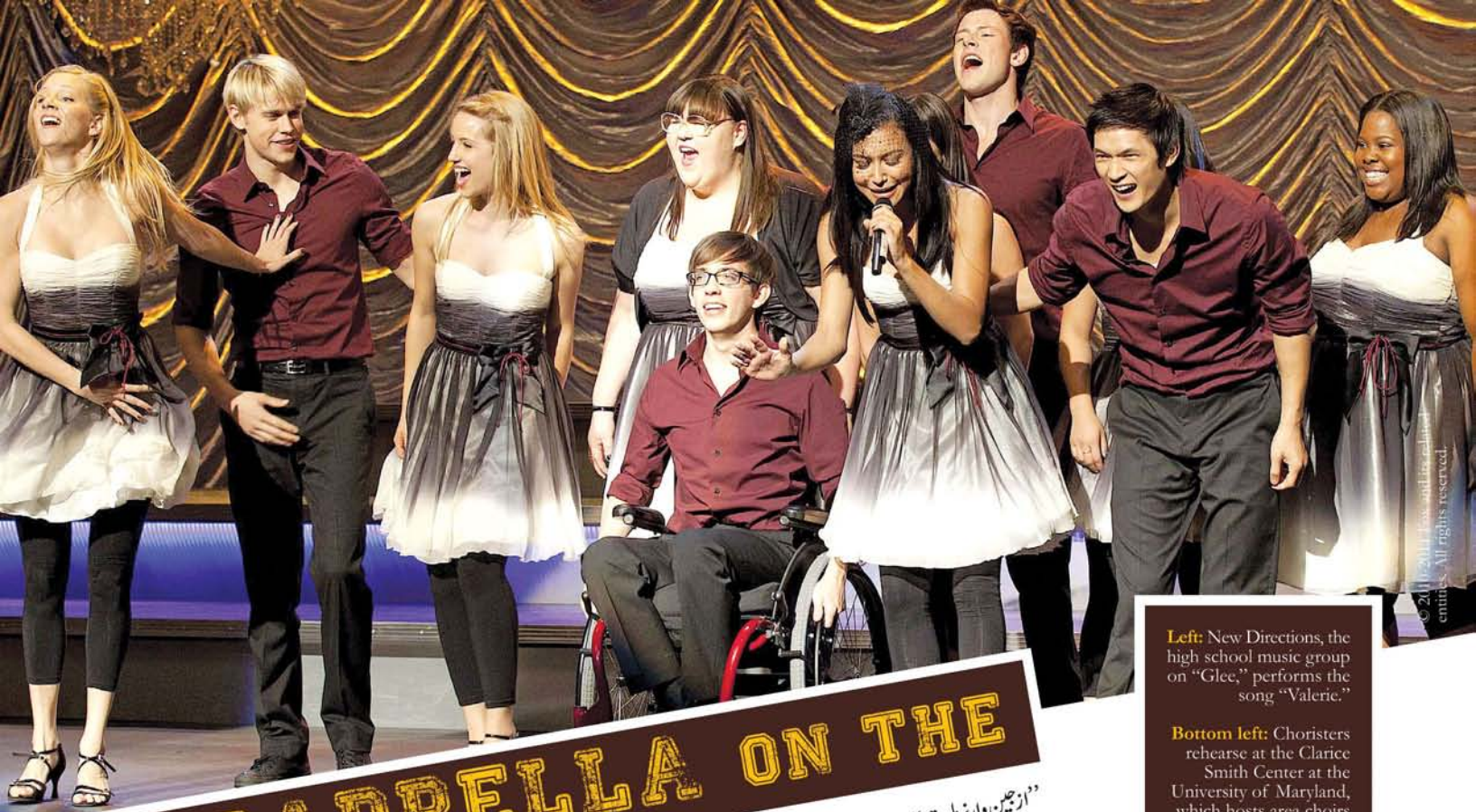
امریکہ کی فلیس گیلری سے منسلک ریتھل گولڈ برگ ۱۵ تا ۳۰ اپریل تک لاہور اور اسلام آباد میں ایک سو پاکستانی مصوروں کیلئے ورکشاپس منعقد کیں۔ اس پروگرام میں ریتھل نے مقامی مصوروں اور کیوریٹرز کے ساتھ امریکی نقاش جیکب لارنس کی مائگریشن سیریز سے متعلق بات چیت کی اور اس بات کا جائزہ لیا کہ فن اور معاشرہ کس طرح آپس میں تعامل کر سکتے ہیں۔ مصوری کی ان ورکشاپس کے شرکاء نے اپنے فن کو تخلیق کرنے کیلئے کہانی کہنے اور میل جول کی تکنیک کا استعمال کیا اور بعد ازاں ان کے کام کی لاہور اور راولپنڈی میں نمائش کی گئی۔ واشنگٹن ڈی سی میں واقع فلیس گیلری میں اکتوبر سے لے کر دسمبر ۲۰۱۳ء تک ان طالب علموں کے کام سے منتخب فن پاروں کی نمائش کی جائے گی۔ ■



“There is so much artistic talent in Pakistan,” Goldberg said. “I am inspired by what I have seen, and I will take back to the United States some of the pieces we created so that Americans can share in the stories told by Pakistani artists.”

گولڈ برگ نے کہا کہ پاکستان میں بہت زیادہ فنی ٹیلنٹ ہے۔ میں یہاں جو کچھ دیکھا اس سے بہت متاثر ہوں اور ہم نے یہاں جو فن پارے تخلیق کئے ہیں، میں ان میں سے کچھ امریکہ لے جاؤں گی تاکہ امریکی شہری پاکستانی فنکاروں کی کی بیان کی ہوئی کہانیوں کے بارے میں جان سکیں۔

For more information on the Phillips Collection Museum, visit www.phillipscollection.org; <http://blog.phillipscollection.org>



Left: New Directions, the high school music group on "Glee," performs the song "Valerie."

Bottom left: Choristers rehearse at the Clarice Smith Center at the University of Maryland, which hosts area choirs at the annual High School Invitational.

A CAPPPELLA ON THE RISE

by Jane Varner Malhotra "از جین وارنر ملھوٹرا"
Choral groups and the "Glee" factor. "چورل گروپس اور گلی فیکٹر"

اُبھرتا ہوا کیپلا



Lima, Ohio: A sleepy, smallish Midwestern town, centrally located between Dayton and Toledo. The kind of place that young inhabitants try to escape from, heading to New York City or Los Angeles or some city with a little more going on. But over the past couple of years,

Lima has earned itself a place on the map for millions of American teens, known now as home to a group of students struggling to navigate the social and emotional challenges of the high school years-through music.

Now in its fourth season, the fictional TV show "Glee" tells the story of a high school show choir called New Directions, composed of a motley cast of talented singers who view themselves as social outcasts. The diverse set of students struggle with a continuously unfolding series of problems relating to social status, relationships, religion, sexual orientation, bullying, racial identity and ethnicity, physical appearance, peer pressure, depression, academic achievement, etc. Tolerance, eventually acceptance, and a shared love of music

ریاست اوہائیو کا قصبہ لیما وسطی مغرب ایک چھوٹا سا غیر دلچسپ قصبہ ہے جو ڈے ٹن اور ٹولیدو کے درمیان میں واقع ہے۔ ایسا شہر کہ اس کے جواں سال بایسوں کو وہاں رہنے میں کوئی زیادہ دلچسپی نہیں، یہ لوگ اپنی پسند کی زندگی گزارنے کے لئے نیویارک، لاس اینجلس یا دیگر بڑے شہروں کا رخ کر رہے ہیں۔ لیکن گزشتہ دو سال سے یہ قصبہ لاکھوں امریکی نوجوانوں کے خوابوں کا شہر ہے اس وجہ سے کہ اب اس کی شہرت اُن چند طالب علموں کی وجہ سے جو موسیقی کے ذریعے ہائی سکول کے طلبہ پر روا رکھی جانے والی جذباتی اور سماجی پابندیوں کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔ "Glee" کا اس وقت چوتھا سیزن چل رہا ہے۔ اس افسانوی پروگرام میں ہائی سکول لیول کے طلبہ کے ایک طائفے کو دکھایا گیا ہے جس کا عنوان "New Directions" ہے۔ مختلف نسل طلبہ کا یہ گروپ باصلاحیت گلوکاروں پر مشتمل ہے جو خود کو سماج کا باغی سمجھتے ہیں۔

کثیر النسل طلبہ کا یہ گروپ مسلسل اور مرحلہ وار پیش آنے والے مسائل سے نبرد آزما ہے جن میں سماجی مقام، تعلقات مذہب، جنس، نسلی تقاضا اور شناخت، ظاہری شکل و صورت، والدین کا دباؤ، پریشانی، تعلیمی کامیابیاں اور دیگر شامل ہیں۔ برداشت، برادری اور موسیقی سے مشترک محبت نے ان کو یکجا کر رکھا ہے۔ ان تمام مشکل مسائل کے باوجود کسی نہ کسی طرح سے اس شو نے اپنی مزاحیہ موسیقی کی پہچان کو برقرار رکھا ہوا ہے۔

2009ء میں جب "فکس" نے جب اسکو بطور ایمیل/نمونہ کے ٹیلی کاسٹ کیا تو ہفتہ وار 8 سے 10 ملین "Glee" کے چاہنے والے جنہیں Gleeks بھی کہا جاتا ہے نے اس شو کو فالو کیا اور بہت دلچسپی سے اس افسانوی McKinley High School کے میوزک کے دلدادہ طالب علموں اور سکول سٹاف کی کہانی میں آنے والے ٹوئٹ اور دلچسپ موڈ کو شو سے دیکھا۔ براؤ کا سٹنگ کے دوران facebook پر Gleek کے چاہنے والوں نے اس قدر تبصرے کئے کہ ایسا لگنے لگا کہ جیسے یہ برٹنی سپیریو کا پروگرام ہو۔ اس پروگرام نے کلاسیکل



keep the kids together. Somehow, despite all of these weighty issues, the show remains above all a musical comedy!

Since 2009, when Fox aired the pilot episode, 8 to 10 million "Glee" fans-or Gleeks-have tuned in weekly to follow the dramatic twists and turns in the song-filled lives of students and staff at the fictional McKinley High School. During broadcasts, Facebook lights up with Gleek friends posting reviews of cameo appearances by stars like Britney Spears, revived classic American rock songs like "Proud Mary," or remade musical numbers from "West Side Story." The show's popularity has helped bring music to the forefront of mainstream television in America and, as a result, more and more kids are now singing in school.

According to a poll by the National Association for Music Education, 43 percent of choral instructors report seeing an impact from "Glee" on their music programs, with more students auditioning for singing groups and musicals, and more requests to perform songs that are featured on the show. Lisa Itkin, choral director at Bethesda-Chevy Chase High School in Bethesda, Maryland, is a big fan of the show. "I love 'Glee.' I think it's a great show with comedy and fabulous vocal arrangements of current pop songs. I think there is great talent in the cast and it is must-see programming in my house," she says.

Itkin notes that "Glee" has had an impact on TV programming as well, with several primetime shows like "Grey's Anatomy" adding a musical episode. Other programs have also inspired young people to seek singing stardom, such as the popular "American Idol." TV networks are cranking out the song-and-dance routines, with a cappella groups competing on "The Sing-Off" and music coaches working with singing teams on "The Voice." In 2012, moviegoers saw the release of popular musical films such as "Joyful Noise" and "Pitch Perfect."

A reality spin-off of "Glee" began in 2011 on the Oxygen network-"The Glee Project"-featuring auditions and training for young people competing for a role in "Glee." With its own app and scheduled "tweet parties," the show encourages interaction among the viewers through social media.

Washington, D.C. 9th-grader Ethan Kohn enjoyed following "The Glee Project" and joined a new co-ed a cappella group in 2012 with some classmates at his high school, Sidwell Friends. Among the 450 students, the school boasts at least four a cappella groups, in addition to a more traditional chamber chorus and a yearly musical play. Kohn says that shows like "Glee" help make a cappella singing normal in high school, as kids with a broad range of outside interests come together to make music with just their voices.

Why does a 15-year-old baseball player join an a cappella group? "It's unique. We do modern songs like 'Too Close' by Alex Clare, and 'Cry Me a River' by Justin Timberlake. It's kinda cool, just seven people making this amazing sound-potentially," laughs Kohn. Unlike New Directions in Lima, however, he notes that his group has much less drama. ■

Jane Varner Malhotra is a freelance writer based in Washington, D.C.

American rock songs جیسا کہ "Proud Mary" کی یادیں تازہ کر دی ہیں یا یوں لگ رہا تھا جیسے "West Side Story" کا کوئی میوزیکل نمبر دوبارہ بن گیا ہو۔ اس شو کی مقبولیت نے امریکی موسیقی کو پھر سے ٹیلی ویژن کی صحنہ اول کے پروگرامز میں شامل کر دیا ہے۔ نتیجتاً سکولوں میں گانے والے بچوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

نیشنل ایسوسی ایشن کے ایک سروے کے مطابق 43 فی صد "چارول" انسٹرکٹرز نے یہ بتایا ہے کہ "Glee" دیکھنے سے ان کی موسیقی پر کافی اثر ہو رہا ہے۔ دن بدن طالب علم اس پروگرام کے آڈیشنز کے لیے شریک ہوتے ہیں اور روزانہ ہزاروں درخواستیں وصول ہوتی ہیں جس میں شو کے دوران گانوں پر فارم کرنے کی خواہش کا اظہار ہوتا ہے۔ لڑا (Bethesda-Chevy Chase High School) میری لینڈ میں "چارول" ڈائریکٹر ہیں اور اس شو کی بہت بڑی دلدادہ ہیں۔ وہ کہتی ہیں "میں Glee سے عشق کرتی ہوں"

وہ کہتی ہیں کہ موسیقی اور مزاح کے باہم ملنے سے یہ بالکل "شو" خوبصورت آوازوں اور حالیہ زمانے کی پاپ موسیقی کے فروغ کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ وہ مزید کہتی ہیں کہ اس شو میں شامل فن کار بہت ہی باصلاحیت ہیں اور ہمارے گھر میں اس شو کو بہت باقاعدگی سے دیکھا جاتا ہے۔

اپنے خیالات کا مزید اظہار کرتے ہوئے لڑکیاں کہتی ہیں کہ "Glee" نے پرائم ٹائم ٹی وی پر انٹرفوئش چھوڑے ہیں اس پروگرام کے علاوہ اب موسیقی پر بہت اچھے پروگرام ترتیب دیے جا رہے ہیں مثلاً "Grey's Anatomy" ان تمام پروگرامز میں امریکی نوجوانوں میں موسیقی سے محبت کو مزید نکھارا ہے اور لوگ شوق سے "American Idol" جیسے پروگراموں میں شریک ہو رہے ہیں۔ ٹیلی ویژن نیٹ ورکس پر اچھی موسیقی اور بہترین ڈانس کے لئے دلچسپ مقابلے جاری ہیں۔ "Sign off" جیسے پروگرامز میں میوزیکل گروپس کے مابین کڑے مقابلے ہوتے ہیں۔ پروگرام "The Voice" میں میوزک کو چڑنے بے حد محنت سے اپنی ٹیوں کو تیار کیا۔ 2012ء میں موسیقی کی فلموں کے شوقین حضرات نے مشہور میوزیکل فلمز کی ریلیز دیکھی جن میں "Joyful Noise" اور "Pitch Perfect" شامل ہیں۔ Oxygen نیٹ ورک پر 2011ء میں "Glee" بطور ریالیٹی شو شائرت ہوا۔ "The Glee Project" کا مقصد نوجوانوں کو موسیقی کی تربیت دینا اور آڈیشنز کی تیاری کروانا تھا تاکہ وہ "Glee" میں کردار حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔ اپنی اپنی ٹویٹ پارٹیز اور ٹویٹ پارٹیز "tweet parties" کی وجہ سے شو کا رابطہ بذریعہ سوشل میڈیا اپنے ناظرین سے قائم رہتا ہے۔

اتھن کوہن کا تعلق واشنگٹن ڈی سی ہے یہ درجہ نهم میں پڑھتے ہیں اور انہوں نے اپنے ہائی سکول کلاس فیلوز کے ہمراہ Cappella Group میں 2012ء میں شمولیت اختیار کی۔ 450 کے قریب طالب علموں نے سکول Cappella Group کے چار مرحلوں کو طے کیا اور سالانہ میوزیکل پلے اوکوس کے روایتی چیمبر میں بھی شرکت کی۔ کوہن بتاتے ہیں کہ "Glee" کی طرح کے شو سے ہائی سکول میں Cappella Singing ایک آسان کام بن گیا ہے جیسا کہ مختلف علاقوں سے آنے والے بچے مل جل کر موسیقی میں ایک آواز بن جاتے ہیں۔ ایک پندرہ سالہ ٹیس بال کھلاڑی Cappella Group میں کیوں شریک ہوگا؟ یہ منفرد ہے!

ہم لوگ Alex Clare کے "Too Close" اور Justin Timberlake کے "Cry Me a River" کی طرز کے جدید گانے پسند کرتے ہیں۔ یہ بہت مزے کا کام ہے۔ صرف سات لوگوں کے ایک ساتھ گانے سے یہ خوبصورت تخلیق تیار ہو جاتی ہے۔ کوہن جھگڑ لگاتے ہیں۔ لیما میں New Directions کی طرح تو نہیں پر کوہن یہ بتاتے ہیں کہ ان کے ترتیب دیئے ہوئے پروگرام میں ڈرامہ بہت کم ہوتا ہے۔ ■

جین وارنر ملہوٹرا ایک فری لانسر لکھاری ہیں ان کا تعلق واشنگٹن ڈی سی سے ہے

a journey of LIBERATION سفر ایک آزاد

by mariam batool qazi

مریم باتول قاضی



M.B. Qazi

Life is a beautiful journey. It is a journey that has taught me that after every dark night, a beautiful morning lights our day. The world was a dark place when slavery existed, in the times when humans were treated cruelly just because of the color of their skin. Even after slavery ended, prejudice and racism were still common. It was the efforts of civil rights leaders like Martin Luther King Jr., Rosa Parks, and Malcolm X that drove the descendants of former slaves out of the pits of darkness caused by racism and prejudice. It was, and continues to be, a long and constant struggle. It was during a civil rights road trip across the American South where I learned the true meaning of this struggle.

While participating in the Spring 2013 UGRAD program at the University of Wisconsin, I had the opportunity to go on a civil rights pilgrimage. Previously, I'd planned to visit Florida, but I changed my mind when I heard about this trip. I was excited about going to smaller cities instead of big cities, but I was not sure about the tight schedule during which we'd visit 9 cities in 9 days. Regardless, I took a chance and signed up.

زندگی ایک خوبصورت سفر ہے یہ وہ سفر ہے جس نے مجھے یہ سکھایا کہ ہر اندھیری رات کے بعد ایک نور بھرا دن طلوع ہوگا۔ دنیا تاریکی میں گم تھی جب غلامی کا زمانہ تھا۔ انسان ہی دوسرے انسانوں کو صرف اس بنیاد پر کہ ان کا رنگ کیا ہے؟ ستم کا نشانہ بناتا تھا۔ یہاں تک کہ غلامی ختم بھی ہوگئی پھر غرور اور نسل پرستی کا جذبہ عام ہوا۔ یہ سول رائٹس تحریک کے راہنماؤں، مارٹن لوتھر کنگ جونیئر، روزا پارکس اور میلکم ایکس کی کاوشیں تھیں کہ انہوں نے سابقہ غلاموں کی نسل کو غرور پرستی کی لعنت اور ظلم سے چھٹکارا دلایا۔

یہ ایک لمبی جدوجہد تھی اور ہے۔ یہ امریکہ کے جنوب میں سول رائٹس روڈ ٹریپ کے دوران میں نے سیکھا کہ اس کوشش کا مطلب کیا ہے؟

UGRAD کے بہار 2013ء پروگرام کے دوران یونیورسٹی آف ویسکانسن میں مجھے یہ موقع ملا کہ میں سول رائٹس تحریک کا یادگار دورہ کر سکوں۔ اس سے قبل میرا ارادہ تھا کہ میں فلوریڈا جاؤں گی مگر میں نے اس ٹریپ کا سن کر اپنا ارادہ بدل لیا۔ میں بڑے جوش تھی کہ میں بڑے شہروں کی بجائے چھوٹے شہر دیکھ سکوں گی مگر مجھے فکر بھی تھی میں 9 دنوں کے مصروف شیڈول میں 9 شہروں کو کس طرح دیکھ سکوں گی۔ مگر میں نے ارادہ کیا اور اس دورے کے لئے



We left our dorms early on March 15. I was both nervous and excited. With over 100 students on the trip, I instantly made friends with my new "bus buddies." We spent the night on the bus talking and sharing ghost stories. The next morning we stopped in Tennessee for breakfast. By early afternoon, we were in Atlanta. We visited CNN's global headquarters, the Coca Cola Museum, the Georgia Aquarium, and the Centennial Olympics Park. The weather was delightful and a nice change from snowy Wisconsin. That night we met Charles Person, the last living freedom rider, and his peers Frank Holloway and Peter Bill. They shared their stories with us about participating in the Civil Rights Movement of the 1950s and 1960s.

The next day we visited the New Ebenezer Baptist Church where Martin Luther King, Jr. was a pastor. The church has been a spiritual home to many citizens of the "Sweet Auburn" African American historic district of Atlanta.

“The story of Rosa Parks made me feel strong as a woman. The world, most definitely, underestimates the power of women.”

In Birmingham, Alabama we toured the Birmingham Civil Rights Institute, which documents the struggles of African American citizens to participate in the city's government and business community. We also went to Kelly Ingram Park, where several pieces of sculpture related to the Civil Rights Movement are displayed. Learning about those struggles and efforts inspired me. It infused a new spirit in me, a spirit that will strive to make this world a better place.

On the bus, we read slave narratives and watched civil rights movies to fully understand the purpose of our trip. We met B.J. Hollars, a professor of creative writing at the University of Wisconsin and the author of "Thirteen Loops: Race, Violence and the Last Lynching in America and Opening the Doors: The Desegregation of the

دستخط کر دیے۔ ہم نے 15 مارچ کی صبح سفر کا آغاز کیا۔ میں پریشان اور پُر جوش تھی 100 طلبہ کے گروپ سے میں نے جان بوجھ کر اپنے بس والے طالب علم ساتھیوں کو اپنا دوست بنایا۔ ہم نے رات بس میں ہی گزاری اور ہم باتیں کرتے رہے۔ گپیں لگاتے رہے اور بھوتوں کی کہانیاں سناتے رہے۔ اگلی صبح ٹینیسی میں ناشتے کے لئے رکے۔ سہ پہر کے وقت ہم اٹلانٹا میں تھے۔

ہم نے وہاں سی این این گلوبل ہیڈ کوارٹر کو کا کولامیوزیم جاری ایکیوریم اور کونٹینٹل پارک کا دورہ کیا۔ بر فیملی ورسکسن سے یہاں کا موسم بہت سہانا اور تبدیلی تھا۔

اُس رات ہم چارلس پرٹس سے ملے جو آزادی کے سواروں میں زندہ رہ جانے والے آخری ہیں اور ان کے دوستوں سے فرینک ہالوے اور پیٹر بل انہوں نے 1950, 1960 میں ہمیں اپنے سول رائٹس تحریک میں شمولیت اور تحریک کے دیگر واقعات سنائے۔

بطور خاتون روزا پارک کی کہانی

نے مجھے بہت حوصلہ بخشا۔ دنیا نے ہمیشہ عورت کی طاقت کو کم تر جانا ہے۔

دوسرے دن ہم نیو ایبے نیبر ہسپٹل چرچ کا دورہ کیا جہاں مارٹن لوتھر کنگ جونیئر پادری تھے۔ "Sweet Auburn" کا شہریوں کے یہ چرچ عظیم روحانی گھر کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ شہر افریقن امریکیوں کا ریاست اٹلانٹا میں ایک تاریخی شہر ہے۔ برنگھم۔ الیابا میں ہم نے برنگھم سول رائٹس انسٹی ٹیوٹ کا دورہ کیا جس میں افریقن امریکی شہریوں کی اُن مشقوں کی نشانیاں ہیں جو انہوں نے شہری حکومت اور بزنس کمیونٹی کی بھلائی کے لئے اٹھائیں۔

ہم کیلے انگرام پارک بھی گئے جہاں سول رائٹس تحریک کے متعلق بہت سے فرمودات چسپاں ہیں۔ اُن تمام کاوشوں کے متعلق جان کر میں بہت متاثر تھی۔

بس میں ہم نے غلاموں کے متعلق پڑھا اور سول رائٹس موومنٹ کی فلمیں دیکھیں تاکہ ہمارے دورے کا اصل مقصد

‘It infused a new spirit in me, a spirit that will strive to make this world a better place.’

اس نے میرے اندر نئی روح پھونک دی، ایک ایسی روح جو اس دنیا کو بہتر بنانا چاہتی ہے



University of Alabama.”

The next morning we visited the University of Alabama. It was raining and the flowers were in full bloom. The University of Alabama has a beautiful campus with red brick buildings and Greek-style houses. The University of Alabama was a center of activity during the Civil Rights Movement and is the site of Governor George Wallace's infamous “Stand in the Schoolhouse Door,” a symbolic attempt to stop two African American students from enrolling in classes. We also went to the Rosa Parks Museum and toured the Civil Rights Memorial Center. I signed my name on the “Wall of Tolerance.” The story of Rosa Parks made me feel strong as a woman. The world, most definitely, underestimates the power of women.

March 19 was my favorite day of the whole trip. We toured historic sites in Selma, Alabama. The sites included Brown Chapel, First Baptist Church, and the Voting Rights Museum and Institute. We watched a slavery re-enactment, which was depressing and liberating at the same time. It made me realize that no matter how hard we try, we can't fully understand how life was for slaves and when I was able to glimpse a bit of their lives, I cried. It made me thank God for the life and privileges I have.

Our group did a community service project, and I was tasked with picking up trash in a local park. While cleaning the park, I met an amazing woman from California who was a bus driver and we talked about women's empowerment for hours after the service project ended.

In New Orleans, we went on a tour of haunted sites, saw a jazz concert, and went on a civil rights tour. We also went to Bourbon Street to see the beautiful French Quarter. I made friends with an old artist there who took me to his art gallery and showed me some of his work.

اس سارے سبق نے مجھے ایک نئی روح عطا کی، وہ روح جو دنیا کو ایک بہتر جگہ بنانے کے خواب پر یقین رکھتی ہے۔

سمجھ آ سکے۔ ہم پروفیسر بی جے ہولارڈ سے ملے جو یونیورسٹی آف ورساٹن میں پروفیسر اور تخلیقی مصنف ہیں اور انہوں نے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

"Thirteen Loops: Race, Violence and the Last Lynching in America and Opening the Doors: The Desegregation of the University of Alabama."

دوسری صبح ہم نے یونیورسٹی آف الہاما کا دورہ کیا۔ بارش ہو رہی تھی اور پھول کھلے ہوئے تھے۔ یونیورسٹی آف الہاما سرخ اینٹوں اور پرانے یونانی طرز کے گھروں پر مشتمل بہت خوبصورت عمارت ہے۔ سول رائٹس تحریک کے دوران یونیورسٹی آف الہاما تحریک کا مرکز تھی۔ اور گورنر جارج ویلس کی بدنام "Stand in the Schoolhouse Door" تحریک کا مرکز تھی جو کہ دو افریقی امریکی طالب علموں کو داخلہ سے روکنے کی علامتی کوشش تھی۔

ہم روزا پارک میوزیم بھی گئے اور سول رائٹس میموریل سنٹر کا دورہ بھی کیا۔ میں نے دہوار برداشت پر دستخط بھی کئے۔ بطور خاتون روزا پارک کی کہانی نے مجھے بہت حوصلہ بخشا۔ دنیا نے ہمیشہ عورت کی طاقت کو کم تر جانا ہے۔

9 مارچ اس پورے سفر میں میرا یادگار دن تھا۔ ہم نے سیلما اور الہاما کے تاریخی مقامات دیکھے۔ ان مقامات میں براؤن چپل، فرسٹ پبلسٹ چرچ اور ووٹنگ رائٹس میوزیم اینڈ انسٹی ٹیوٹ شامل تھے۔

ہم نے غلامی کی ایک علامت بھی دیکھی جو یک وقت پریشان کرنے والا اور آزادی کا احساس دلانے والا عجیب لمحہ تھا۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ ہم چاہے کتنی ہی کوشش کر لیں ہم غلاموں کو درپیش مشکلات کا اندازہ کبھی نہیں لگا سکتے۔ اور جب میں نے ان کی زندگیوں پر نظر دوڑائی تو میں چلا اٹھی اور میں نے اپنی زندگی اور سہولیات پر اپنے رب کا



The next day we visited William J. Clinton's Presidential Library, where they have an actual replica of the Oval Office and White House Cabinet room. We also visited Heifer International Headquarters. The goal of Heifer International is to end world hunger and to care for the world through an approach that helps people obtain a sustainable source of food and income.

In Memphis, we visited the Lorraine Motel where Martin Luther King was assassinated. We also went to the National Civil Rights Museum in front of the motel where we listened to Reverend Samuel Billy Kyles' motivational speech. Martin Luther King spent the last hour of his life with him. Reverend Kyles told us how we all should make a difference in the world. He also said that he is confident that I'll be the president of Pakistan one day. His speech instilled enthusiasm in all of us.

“When everyone was asleep, I started making a list of all the things I want to change for the better in my country. This trip was a liberating and life-changing experience for me. I made friends for life. Now, I am a changed person with a new perspective about the world.”

On my way back, everyone shared their feelings about the trip. The thing that most struck me during the whole trip was the idea of non-violence. We generally think that only violence and force can bring betterment, but we are wrong- only non-violence can spread peace and love in the world.

As Martin Luther King Jr. said, “Nonviolence is a powerful and just weapon, which cuts without wounding and ennoble the man who wields it. It is a sword that heals.” ■

Mariam Batool Qazi is a Spring 2013 Global UGRAD Alumnus

ہمارے گروپ نے کیونٹی سروسر کا کام بھی کیا۔ مجھے ایک لوکل پارک سے کوڈا کرکٹ کی صفائی کا ٹاسک ملا تھا۔ وہاں صفائی کے دوران میری ملاقات ایک باکمال خاتون سے ہوئی۔ وہ کیلی فورنیا سے تعلق رکھتی تھیں اور بس ڈرائیور تھیں۔ ہم نے گھنٹوں عورتوں کے حقوق پر گفتگو کی حتیٰ کہ ہمارا پروجیکٹ ختم ہو گیا۔

نیوآرژ میں ہم نے بھوت بنگلے دیکھے جاز کنسرٹ انجوائے کیا اور ایک سول رائٹس ٹور میں بھی شرکت کی۔ ہم نے بورن سٹریٹ بھی دیکھی اور خوبصورت فرانسیسی طرز کے مکانات کا مشاہدہ کیا۔ میں نے وہاں دوست بنائے اور ایک بوڑھے آرٹسٹ سے بھی دوستی ہوئی جس نے مجھے اپنی آرٹ گیلری دکھائی۔

اُس کے اگلے روز ہم نے ولیم۔ جے کلنٹن پریذیڈنٹ لائبریری کا دورہ کیا جہاں اوول ہاؤس اور وائٹ ہاؤس کیبنٹ روم ہو بہو نقل موجود ہے۔ ہم نے ہائیفر انٹرنیشنل کا دورہ بھی کیا۔ اس ادارے کا مقصد دنیا سے بھوک ختم کرنا اور مستقل خوراک و آمدنی کا بندوبست کر کے دنیا کی بھلائی کا انتظام کرنا ہے۔

میمفس میں ہم نے لورین موٹیل کا دورہ کیا۔ جہاں مارٹن لوتھر کنگ کو قتل کیا گیا تھا۔ ہم نے لورین موٹیل کے سامنے ہی واقع نیشنل سول رائٹس میوزیم کا دورہ بھی کیا جہاں ہم نے ریورینڈ سوسائٹل نیل کیلوز کی متاثر کن تقریر سنی۔ مارٹن لوتھر کنگ نے اپنی زندگی کا آخری گھنٹہ اُن کے ساتھ گزارا تھا۔ انہوں نے میرے متعلق یہ کہا تھا کہ انہیں یقین ہے کہ میں ایک دن پاکستان کی صدر بن جاؤں گی۔ ان کی تقریر نے ہم سب کو بے جوش کر دیا۔ واپسی پر ہر کوئی ٹرپ کے بارے میں اپنی رائے سے آگاہ کر رہا تھا۔

جب سب لوگ سو رہے تھے تب میں نے ایک فہرست تیار کی کہ وہ اقدامات ہو سکتے ہیں جن کے ذریعے میرے ملک میں بہتری آسکتی ہے۔ یہ سفر میرے لئے آزادی بھر اور زندگی بدلنے والا تھا۔ میں نے زندگی بھر کے لئے دوست بنائے۔ میں نے صرف 9 دنوں میں ہی بہت کچھ سیکھ لیا تھا۔ اب میں ایک بدلی ہوئی لڑکی ہوں اور دنیا کے متعلق میرے خیالات بدل چکے ہیں۔

جس خیال نے میرے ذہن کو پورے سفر کے دوران جکڑ کر رکھا وہ خیال عدم تشدد کے فلسفے کا تھا۔ ہم ہمیشہ یہ سوچتے ہیں کہ طاقت اور قوت سے بہتری آئے گی مگر ہم غلط ہیں صرف عدم تشدد سے ہی امن اور پیار کو دنیا بھر میں پھیلایا جاسکتا ہے جیسا کہ مارٹن لوتھر کنگ جو نیمبر نے کہا تھا۔

عدم تشدد ایک طاقتور اور انصاف پر مبنی ہتھیار ہے جو غم دینے بغیر کاٹتا ہے اور اُسے معزز کرتا ہے جو اس کو اپنالیتا ہے یہ شفا دینے والی تلوار ہے۔ ■

مریم باتول قاضی UGRAD کے بہار 2013ء پروگرام کا حصہ ہیں۔



the american WESTERN

BY KELLY KOPCIAL

If Jazz is the quintessential American music, then the Western is the quintessential American film genre. From the earliest days of film, American audiences have loved the adventure and romance of Westerns. The Great Train Robbery, a 1903 silent film considered to be the first ever motion picture that told a story, is a Western. Over the last century, the Western has mirrored American society and become an enduring art form.

In its early days, Westerns often had simple plots and plenty of action. The good-versus-bad storylines, with lawmen or cowboys fighting outlaws or Indians, were mainstays of Westerns. The settlers heading West for new opportunities and the tough lawmen who braved the Wild West were seen as heroes. The American pioneer spirit was celebrated; the history of Westward expansion was portrayed in a positive light.

As the genre matured, the Western became more of a social commentary. In the 1940s and 1950s, Westerns reflected a more complex post-World War II society. Films such as The Searchers were not adventure stories, but character studies of people facing life changing events. John Wayne, seen by most as the archetypal American cowboy, plays a character named Ethan in The Searchers, who spends years doggedly hunting for his niece, who was kidnapped during an Indian raid that killed her family. When he finds she is alive, but has become a member of the tribe that took her, Ethan is torn between his hatred of the Indians and love for one of his only remaining relatives. His moral struggle is the heart of the film. Not only is The Searchers a moving story, but it is visually stunning. Its cinematography beautifully captures the expanse and loneliness of the West.

Also from the 1950s, High Noon is the story of one man standing by his principals. Gary Cooper, as the marshal in the film, lays his life and new found happiness as a married man on the line to protect his town. Yet, the townspeople themselves are too cowardly to

مغربی امریکی

کیلی کوپکل

اگر "Jazz" امریکیوں کا پسندیدہ میوزک ہے تو "مغرب" امریکی فلموں کا پسندیدہ موضوع ہے۔ فلمی صنعت کے آغاز سے ہی امریکی فلم بنیوں کو مغربی انداز میں فلمائی روٹس اور ایڈوچر فلمیں پسند ہیں۔ The Great Train Robbery، 1930ء میں ریلیز ہونے والی خاموش فلم ہے جو کہ دنیا کی پہلی متحرک فلم تصور ہوتی ہے اس کا موضوع بھی مغرب ہی ہے۔ گزشتہ ایک صدی سے "مغربی انداز" امریکی معاشرے کا عکاس اور امریکی آرٹ کی مستقل شکل ہے۔

ابتداء میں مغربی طرز پر بننے والی فلموں کا پلاٹ سادہ اور ان میں امریکی بن زیادہ ہوا کرتا تھا۔ اچھائی اور بُرائی کے درمیان جھگڑا، قانون کی پیروی کرنے والے، cowboys اور قانون شکن اور انڈینز کے درمیان لڑائیاں مغرب کا خاص انداز تھا۔ جب امریکی تاریخیں بہترین مواقع کی تلاش میں مغرب کی طرف بڑھ رہے تھے تو سخت جان قوانین پسندوں کو وحشیوں سے لڑنا پڑا۔ یہی افراد ہیروز تصور کئے گئے۔ مغرب کی طرف قدیم امریکیوں کی تعریف امریکی تاریخ کی توصیف اور مغرب کی طرف امریکیوں کی پیش قدمی کو بطور مثبت انداز کے فلموں کا موضوع بنایا گیا۔ جب فلموں کا موضوع پختگی کی طرف جا رہا تھا تب مغرب کو بطور مکمل معاشرہ فلمایا جانے لگا۔

1940ء اور 1950ء کی دہائیوں میں جنگ عظیم دوم کے بعد کے زمانے میں معاشرہ بہت پیچیدہ صورت حال کی عکاسی کرتا تھا۔ The Searchers کی طرح کی فلمیں کوئی ایڈوچر کہانیوں پر مبنی نہیں تھیں بلکہ یہ ان افراد کے کرداروں کا مطالعہ کر رہی تھیں جو معاشرتی تبدیلیوں کا سامنا کر رہے تھے۔

جان وائن جسے عمومی طور پر ایک حقیقی cowboy کے طور پر جانا جاتا ہے اس نے The Searchers میں اتھن نام کے آدمی کا کردار ادا کیا جو سالوں تک اپنی بھتیجی کی تلاش کرتا ہے جسے انڈینز نے ایک حملے میں اغواء کر لیا تھا اور اس کے خاندان کے دیگر افراد کو قتل کر دیا تھا۔

“Over the last century, the Western has mirrored American society and become an enduring art form.”



The Good, the Bad and the Ugly © cinemaguid.com

support him as he faces a group of gunmen out for revenge. The film has been read as an allegory of the anti-communist movement of the 1950s, but also as a morality tale. High Noon works as social commentary, but is also an excellent example of a classic Western.

The 1960s were a turning point for Westerns. As society changed, so did the genre. Westerns in the '60s and later reflected the more pessimistic vision of American power in the world as the increasingly unpopular Vietnam War dragged on. In The Magnificent Seven, a group of gunfighters take on a band of outlaws that repeatedly attacks a small village. While the plot harkens back to the adventure films of the 1940s, the story is much more complex. Adapted from Kurosawa's Seven Samurai, a film that tells the story of a masterless samurai at the end of the Edo period, The Magnificent Seven perfectly captures the Old West in transition. The main characters are experienced gunfighters with their own reasons for joining in the village's fight. With one exception: a young, naïve farmer -- masquerading as a gunman who hopes to join their ranks. His vision of the West is the romanticized version. The older gunmen see the writing on the wall that their time is coming to a close and reflect the more modern pessimistic vision of the West. The film mirrors American society's loss of innocence wrought by Vietnam. The American symbol of honor-- the heroic gunfighter-- is a dying breed in The Magnificent Seven; this loss stands in for the demise of America's vision of itself as a nobly-motivated force in the world.

Films in the late 1960s and 1970s show the gunfighter as a selfish figure. Now driven by money, the gunfighters of films such as The Good, the Bad, and the Ugly and High Plains Drifter are a far cry from earlier heroes. There is less focus on the pioneer spirit, and more on greed and its consequences. As American society became increasingly self-centered, the former Western hero devolved into a shadow of his former self. Whereas Gary Cooper's character protects his town based on his moral compass, the "hero" of High Plains Drifter does so for money and revenge.

گزشتہ ایک صدی سے ”مغربی انداز“ امریکی معاشرے کا عکاس اور امریکی آرٹ کی مستقل شکل ہے۔

جب وہ اس کو زندہ ڈھونڈ لیتا ہے تو اس کے لئے یہ بڑا امتحان ہوتا ہے کہ وہ کیا کرے کیونکہ ایک طرف تو اسے دشمنی کی آگ جلا رہی ہوتی ہے کہ انڈینز نے اس کے پورے خاندان کو قتل کر دیا تھا اور دوسری طرف اس کی بھتیجی کی محبت جو کہ اب انڈینز قبائل کا حصہ بن چکی تھی۔ انہیں کی یہ اخلاقی لڑائی ہی فلم کا مرکزی خیال ہے۔ The Searchers صرف ایک خوبصورت کہانی ہی نہیں بلکہ اس کو بہت ہی اعلیٰ طریقے سے فلمایا گیا ہے۔ اس کی فلمبندی نے مغربی معاشرے کی تنہائی اور اس کے اثرات کو بہت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

1950ء میں ریلیز ہونے والی High Noon بھی ایسے ہی ایک شخص کی کہانی ہے جو اپنے اصولوں سے مضبوطی سے بڑا ہوتا ہے۔ گیری کوپر جس نے اس فلم میں ایک مارشل (تھانیدار) کا کردار ادا کیا ہے۔ اپنی شادی کے ذریعے سے آنے والی خوشیوں بھری زندگی گزار رہا ہے اور اپنے قصبے کی حفاظت پر مامور ہے۔ تاہم اس کے قصبے والے غداری کی حد تک اس کا ساتھ نہیں دیتے جب وہ بدلے کی آگ میں جل رہے ایک مسلح گروہ کا مقابلہ کر رہا ہوتا ہے۔ یہ فلم نہ صرف 1950ء میں چلنے والی اشتراکیت کے خلاف تحریک میں بطور علامت استعمال ہو سکتی ہے بلکہ ایک اخلاقی کہانی بھی ہے۔ High Noon ایک معاشرتی کہانی ہونے کے ساتھ ساتھ کلاسیکل مغرب کی مثال بھی ہے۔

مغربیوں کے لئے 1960ء تبدیلی کا موڑ تھا۔ جیسا کہ معاشرہ بدلاتا تو فلموں کا موضوع بھی بدل گیا۔ 60ء کی دہائی میں مغرب پسندوں نے امریکی طاقت کے پُر اُمید رنگ کو فلموں کا موضوع بنایا کیوں کہ امریکی طاقت ویت نام جنگ کی وجہ سے بہت بدنامی کا شکار ہو رہی تھی۔ Magnificent Seven میں مسلح افراد کا ایک گروہ قانون شکنوں کے خلاف اسلحہ بھتھیا رٹھا لیتے ہیں جو چھوٹے گاؤں پر بہت مرتبہ حملہ آور ہوتے ہیں۔ ہر چند کہ فلم کا پلاٹ 1940ء کے دور کی ایڈونچر فلموں کی طرز پر ہے مگر اس کی کہانی بہت پیچیدہ ہے۔ ”کورووا“ کی ”Seven Samurai“ سے ماخوذ ایک ایسی فلم جو Edo کے عہد کے اختتام پر ایک بنا ماسٹر کے سمورائے کی کہانی بیان کرتی ہے۔

Magnificent Seven بہترین انداز میں پرانے مغرب میں آنے والی تبدیلیوں کا احوال بیان کرتی ہے۔ کہانی کے مرکزی کردار تربیت یافتہ جنگجو ہوتے ہیں جنہوں نے ذاتی مقاصد کے لئے گاؤں والوں کی جنگ میں شمولیت اختیار کی۔ ماسوائے ایک سادہ کسان کے جس نے ایک مسلح شخص کا بھیس صرف اس لئے بدل رکھا ہے کہ وہ جنگجوؤں کے گروہ میں شامل ہو جائے۔

اُس کے ذہن میں مغرب کے متعلق بہت رومانوی خیال وابستہ ہے۔ بوڑھا جنگجو اپنی دیوار پر لکھی ہوئی یہ تحریر پڑھتا ہے۔ اُن کے مغرب کا پُر اُمید اور جدید زمانہ بہت قریب ہے۔ فلم امریکی معاشرے میں ویت نام جنگ کی وجہ سے آنے والے ہگاڑ کو خوبصورتی سے بیان کرتی ہے۔ امریکی عزت کا نشان، ایک بھتھیا رہندہ ہیرا/ ایک مسلح ہیرا، The Magnificent Seven میں اپنا آخری وقت گزارتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس ساری کہانی میں اس نقصان کا احوال ہے جو کہ امریکہ کی طاقت کو ”عالی طرف متحرک قوت“ کے طور پر اٹھانا پڑا۔

60ء کی دہائی کے آخر اور 70ء کی دہائی کے آغاز میں بننے والی فلموں میں ہتھیار بند شخص کو بطور خود غرض دکھایا گیا ہے۔ اب دولت کے پیچھے بھاگنے والے مسلح افراد کو جیسا کہ The Good, the Bad and the Ugly High Plains Drifter نامی فلموں میں ہے۔ پرانے زمانے کے ہیروز سے بہت مختلف ہیں۔ پرانے زمانے کی طرح اعلیٰ طرف سوچ کی بجائے اب لالچ اور اُس کے نتائج موضوع بن چکے ہیں۔ جیسا کہ اب امریکی معاشرے میں انفرادی ذات مرکزی حیثیت اختیار کر چکی ہے تو امریکی ہیرا صرف اپنے ماضی کی عظمت کے غلام ہیں۔



It is during this period that one of the most recognizable contemporary Western actors got his big break. Clint Eastwood starred in a series of "Spaghetti Westerns" directed by Italian director Sergio Leone throughout the late '60s. Eastwood's steely-eyed gunman became an icon of the modern Western genre. The 1980s saw a resurgence of Westerns as adventure stories. Films such as Silverado were throwbacks to the action-packed films of the 1940s. Old West figures like Billy the Kid and Wyatt Earp made reappearances as heroes in Young Guns and Tombstone. While the Western was popular in the 80s, the films that were made offered little social commentary and did not push the genre in a new direction. The "Me Generation" of the '80s seemed to have little interest in the moral lessons and selflessness on offer in earlier Westerns.

Much as in the 1960s, the 1990s were a turning point of sorts for Westerns. With Dances with Wolves, Hollywood acknowledged the other side of the Western story: that of the Native Americans displaced by western expansion. While this issue had been addressed in earlier films, the mainstream success of Dances with Wolves brought widespread attention to this neglected aspect of American history. The cowboys and settlers of early Hollywood Westerns are not the heroes in this case, the "Indians" are. Such films reflect a more open and honest assessment of our history and the continued movement toward acceptance of all viewpoints on the American West.

If The Searchers is considered to be the pinnacle of early Westerns, Unforgiven, the Academy Award winning film by Clint Eastwood, is the modern parallel. An unflinchingly realistic story of the West, Unforgiven offers a bleak outlook on American history. One character in the film is a writer, who is travelling the West looking for stories of famous gunfighters for publication back East. He finds, much to his surprise, that the men he seeks are not the heroes he imagined they would be. There is no romance, and there are no heroes. In Eastwood's film; the myth of the Old West is put to rest.

Most recently, Hollywood has been remaking popular Westerns. True Grit, which originally starred John Wayne, was remade in 2010. Directors known for other types of films have been exploring the Western as well. Quentin Tarantino, best known for his often violent modern tales, recently directed the acclaimed Django Unchained, a Western that echoes the films of the 1960s and 1970s in its tale of revenge, but also The Searchers in Django's quest to rescue his wife.

Americans have loved the Western for more than a century. Whether presented as historical fact, romanticized fiction, or somewhere in between, Westerns have greatly influenced American culture. Any exploration of American film certainly deserves a trip into the Old West. ■

Kelly Kopcial is a Consular officer at U.S. Consulate General Karachi

اگر پہلے Gary Cooper اپنی اخلاقی ذمہ داری کے طور پر اپنے گاؤں کی حفاظت کرتا ہے تو اب High Plains Drifter کا ہیرو یہ سب کام پیسے اور بدلے کے لیے کرتا ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب مغربی طرز کے مشہور اداکاروں کو شہرت ملی۔ اطالوی ہدایتکار سرگیو لیون کی ہدایت میں بننے والی ایک سیریز "Spaghetti Westerns" میں Clint Eastwood نے 60 کی دہائی کے آخر میں بہت نام کمایا۔ Eastwood کا نیلی آنکھوں والا گن مین ماڈرن مغربی طرز کی فلموں کی علامت بن گیا۔ 1980ء میں مغربی طرز کو ایڈ ونچر کہانیوں کی وجہ سے دوبارہ عروج ملا۔ Silverado کی طرح کی فلموں نے 1940ء کا ایکشن فلموں والا زمانہ پھر واپس لوٹا دیا۔ Billy the Kid اور Wyatt Earp جسے پرانے مغربی چہرے دوبارہ سے Young Guns اور Tombstone جیسی فلموں میں ہیرو کے روپ میں نظر آئے۔ جیسا کہ 80ء کی دہائی میں مغربی فلموں کی شہرت تھی۔ "Me Generation" نامی فلم نے معاشرتی موضوع کو کہانی کے طور پر پیش ضرور کیا مگر وہ روایت قائم نہ کر سکی۔ البتہ اس فلم میں پرانے مغربی طرز کی فلموں کا اخلاقی سبق اور بے غرضی کا عنصر شامل تھا۔ 60 اور 90 کی دہائیاں مغربی طرز کے اندر تبدیلیوں کا عشرہ تھیں۔ Dances with Wolves کی طرز کی فلموں سے ہالی وڈ نے دوسری طرح کی مغربی فلموں کو بھی پذیرائی دی جن کا موضوع مقامی امریکیوں کی مغربی افراد کی آمد کی وجہ سے بے گھر تھی۔ ہر چند کہ پرانی فلموں میں یہ موضوع فلما گیا مگر Dances with Wolves نے امریکی تاریخ کے اس نظر انداز موضوع کو پھر سے زندہ کر دیا۔ مگر اب کی بار cowboys یا مغربیوں کو بطور ہیرو نہیں فلما گیا بلکہ انڈین ہیرو دہے۔ ان فلموں میں وسیع ظرفی اور ایمانداری سے ہماری تاریخ کو بلا تعصب جانچا گیا ہے اور امریکہ کے مغربی طرز کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اگر The Searcher ابتدائی مغرب کا عروج ہے تو اکیڈمی ایوارڈ یافتہ Unforgiven اس کی جدید شکل ہے۔ ایک سنگتی ہوئی مغربی طرز کی کہانی جو امریکی تاریخ کا سچا جائزہ پیش کرتی ہے۔ فلم کا ایک کردار مصنف ہے جو مغرب میں مشہور لڑاکوں کی کہانیوں کی تلاش میں سفر کرتا ہے تاکہ وہ ان کہانیوں کو مشرق میں شائع کر سکے۔ مگر وہ شدید حیرت زدہ ہوتا ہے کہ وہ افراد جن کو وہ ہیرو سمجھ کر تلاش کر رہا تھا وہ حقیقت میں ایسے نہیں تھے۔ کوئی بھی ہیرو نہیں کہیں کوئی رومانویت نہیں تھی۔ Eastwood کی اس فلم میں مغرب کے متعلق گھڑی ہوئی پرانی کہانیوں کو مکمل طور پر پس پشت کر دیا گیا ہے۔

حال ہی میں ہالی وڈ نے مشہور مغربی طرز کی فلموں کو دوبارہ سے بنانا شروع کیا ہے۔ True Grit جس نے حقیقت میں John Wayne کو شہرت بخشی 2010ء میں دوبارہ بنائی گئی۔ وہ ہدایتکار جو مختلف طرز کی فلموں پر کام کرتے ہیں وہ مغربی طرز کی فلموں کو بھی موضوع بنا رہے ہیں۔ Quentin Tarantino جس کی شہرت جدید طرز کی تشدد کہانیوں کے ہدایتکار کی ہے اُس نے حال ہی میں Django Unchained بنائی ہے (جس میں 60ء اور 70ء کی دہائیوں میں بننے والی بدلے کے موضوع والی فلموں کی بازگشت موجود ہے) جس کا موضوع The Searcher کی طرح اپنی ہیرو کی تلاش اور بدلہ ہے۔ اس فلم نے 70ء اور 60ء کی دہائیوں میں بننے والی مغربی طرز کی فلموں کی یاد کو تازہ کر دیا ہے۔ امریکیوں کی مغرب سے محبت کو ایک صدی گزر چکی ہے چاہے وہ تاریخی حقیقت ہو، رومانس ہو یا دونوں کا پھر، مغربی طرز نے امریکی ثقافت کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔ امریکی فلموں کی کسی بھی طرح کی جانچ میں پرانا مغرب ضرور دکھائی دیتا ہے۔ ■

کیلی کوپچل امریکی تو نصلیت کراچی میں تو نصلاً آفسیر کی حیثیت سے تعینات ہیں

پاکستانی

کارکن تباہ حال خواتین کی

بھتری کے لئے

امریکی خدمات کی نگران

PAKISTANI

activist looks
at

U.S. SERVICES

for Battered Women



IIP Digital

During her two months as a State Department Professional Fellow, Pakistan's Shazia Shaheen worked with the Mecklenburg County Women's Commission in North Carolina, where she saw public and private shelters offering housing, support, counseling, and job placement opportunities to battered and abused women.

At the shelters she saw that, as in many countries, some Americans live with poverty and homelessness, and generosity and hard work are needed to care for them. She was also impressed with how county authorities responded to rape victims, respecting the privacy of both victim and accused before guilt could be established. Shaheen next plans to raise funds to bring her North Carolina contacts to a women's shelter in Pakistan, where they can see its operations and offer suggestions. She also hopes to network with colleagues in neighboring South Asian countries to raise awareness and share best practices for women's shelters. ■

امریکی محکمہ خارجہ میں پیشہ ورانہ خدمات سرانجام دینے کے دوران پاکستانی خاتون شازیہ شاہین نے شمالی کیرولینا میں مکین برگ کنٹری ویمنز کمیشن میں کام کیا جہاں انہوں نے خستہ حال خواتین کے لیے سرکاری اور عارضی گھروں کی جانب سے رہائش، کونسلنگ اور مشاورت سمیت دیگر امدادی کام کی نگرانی کی۔

انہوں نے محسوس کیا کہ دیگر ممالک کی طرح امریکہ میں بھی بعض لوگ غربت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور انہیں رہنے کے لئے چھت تک میسر نہیں ہے۔ ان لوگوں کی امداد کے لئے سخاوت اور سخت محنت کی ضرورت ہے۔ وہ اس بات سے بھی متاثر ہوئیں کہ کیسے امریکی حکام جنسی تشدد کا شکار خواتین کے ساتھ بہترین برتاؤ کرتے ہیں اور جرم ثابت ہونے تک کیسے مجرم اور ظلم کی شکار خاتون کو تحفظ دیا جاتا ہے۔ شاہین خواتین کی امداد کے لئے فنڈ اکٹھا کرنا چاہتی ہیں اور ناتھ کیرولینا میں بنائے گئے روالیہ کو پاکستان میں خواتین کے تحفظ کے لئے استعمال کرنا چاہتی ہیں۔ وہ جنوبی ایشیاء کے پڑوسی ممالک میں بھی خواتین کے بارے میں آگاہی پیدا کرنے اور انہیں تحفظ دینے کے لئے اپنے ساتھیوں کے تعاون سے نیٹ ورک قائم کرنے کا منصوبہ بن رہی ہیں۔ ■

Read more: <http://iipdigital.usembassy.gov>

مزید پڑھنے کے لئے یہ ویب سائٹ ملاحظہ کریں: <http://iipdigital.usembassy.gov>

BEST BOOKS FOR ASPIRING WRITERS

A LIST BY KIM EGGERTON

Are you an aspiring writer? Check out these books available for purchase online and in bookstores throughout Pakistan to help guide you in becoming a better writer.

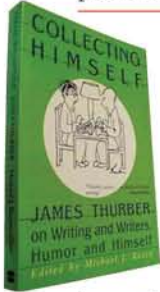
Bird by Bird by Anne Lamott - A

The title of this memoir refers to a phrase Lamott's father once said to her brother, which encouraged her to take her writing - and her life - one step at a time. In the book, Lamott shows how to persevere in a profession that doesn't follow an everyday routine.



Bird by Bird by Anne Lamott - A

اس سوانح کے ناٹل کا تعلق این لموٹ کے والد سے منسوب ایک جملے سے ہے جو انہوں نے این لموٹ کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا۔ اس جملے نے مصنفہ کو تحریر کے شعبے کی طرف مائل کیا۔ زندگی کے جس موڑ پر مصنفہ کو اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز کرنا تھا تو اس جملے نے اُس کی راہنمائی کی کہ کس طرح سے کوئی شخص اُس پیشے سے بچ سکتا ہے جو اس کی روزمرہ زندگی سے مطابقت نہ رکھتا ہو۔



Collecting Himself by James Thurber - A, V

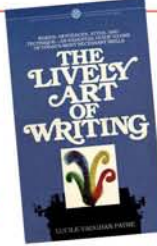
This collection by the American humorist, published by his daughter after his death, features a mix of writings and drawings in various formats and on various themes, all of which end up coming back to writing. One standout is "Recollections of Henry James," his imagined memories of literary idol Henry James, whom he never met.

Collecting Himself by James Thurber - A, V

امریکی مزاح نگار کی تحریر کردہ یہ کتاب مضامین اور ڈرائنگز کا مجموعہ ہے جو اس کی بیٹی نے اس کی موت کے بعد شائع کروائی۔ کتاب میں موجود تصاویر متنوع موضوعات کی حامل ہیں جن کا اصل موضوع مصنف کی تحریر سے ہی متعلق ہے۔ ایک stand out کا عنوان "Recollections of Henry James" ہے یہ مصنف کی تخیلاتی فکر کا احوال ہے جو اس نے ایک لازوال ادیب ہنری جیمز سے متعلق سوچ رکھی تھی ہر چند کہ وہ اس سے کبھی مل نہ سکا۔

The Lively Art of Writing by Lucile Vaughan Payne - A, P

Often found on the shelf alongside The Elements of Style, this guide offers more specific advice on academic writing. In it, Payne outlines many skills, both in terms of content and process, to keep on track when writing different types of essays.



The Lively Art of Writing by Lucile Vaughan Payne - A, P

The elements of style کے ہمراہ ہی یہ کتاب بھی عموماً قارئین کے کتب خانوں میں دکھائی دیتی ہیں۔ اس کتاب کا موضوع بھی انگریزی زبان کی تدبیریں ہے۔ اکیڈمک زبان، اس کے حصول کے لئے درکار صلاحیتیں اور دیگر تمام نوعیت کے ضروری مطالب کی وضاحت کے ساتھ ساتھ یہ کتاب پڑھنے والوں کو یہ بھی سکھاتی ہے کہ انگریزی تحریر کے دوران روانگی کو کس طرح برقرار رکھنا چاہیے۔

The Elements of Style by William Strunk - A

Strunk's advice on grammar and writing has long been required reading for high-school and college students, even though it was first published in 1918. A later edition, with updates from Charlotte's Web author E.B. White, remains one of the simplest and most straightforward guidebooks to using the English language.



The Elements of Style by William Strunk - A

تحریر اور گرامر پر مصنف کی تحریر کردہ یہ کتاب ہائی سکول اور کالج کے درجے کے طلبہ کے نصاب میں شامل رہی ہے۔ اس کی اولین اشاعت کا سال 1918ء ہے۔ بعد ازاں ضروری اضافے کے ساتھ اس کتاب کو Charlotte's Web کے مصنف E.B. White نے شائع کروایا۔ تاحال یہ کتاب انگریزی زبان کے استعمال کے لئے نہایت مددگار ثابت ہوئی ہے کیونکہ اس میں موجود مطالب کی وضاحت بہت سادہ اور آسان الفاظ میں ہے۔

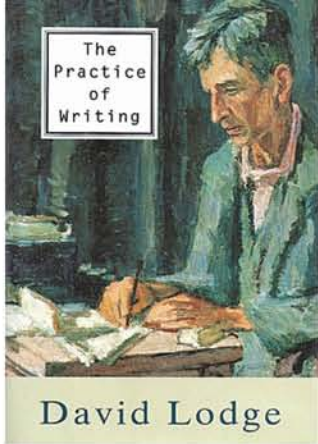


On Writing by Stephen King - A

After a debilitating accident in 1999, King announced his retirement from writing. This book, published a year later, outlines the key moments from King's life that led him to writing and explains why he ultimately decided he could not give up the profession.

On Writing by Stephen King - A

1999ء میں ایک مہلک اور خطرناک حادثے کے بعد اس کتاب کے مصنف سٹیفن کنگ نے تحریر سے ریٹائرمنٹ لے لی تھی۔ یہ کتاب اُس حادثے کے ایک سال بعد شائع ہوئی۔ مصنف کی ذاتی زندگی کا احوال یہ کتاب اُس کی زندگی سے پردے اٹھاتی ہے مصنف بیان کرتا ہے کہ وہ کیا جذبہ تھا جو اُسے تحریر کی طرف کھینچ کر لے گیا اور وہ کیا عوامل تھے جنہوں نے اُسے مجبور کیا کہ وہ اپنے پیشے کو نہیں چھوڑے گا۔

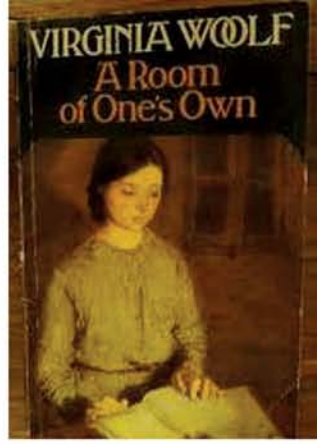


The Practice of Writing by David Lodge - A, P

Lodge, a novelist in his own right, analyzes the works of famous authors - including fellow Brit Graham Greene, Irish neighbor James Joyce, and controversial Russian Vladimir Nabokov - in an attempt to decode exactly how writers come to their final products. He considers the interplay of the writer's ideas and society's influence in many of his essays.

The Practice of Writing by David Lodge - A, P

مصنف، جس کی شہرت بطور ناول نگار ہے اس کتاب میں دیگر مشہور مصنفین کی تحریروں کا تجزیہ کرتا ہے۔ بشمول اپنے ساتھی برٹ گراہم، اپنے آئرش ہمسائے جیمز جوائس کے، مصنف نے متنازعہ روسی لکھاری ولادی میر نابوکوف کی تحریروں کا تجزیہ کرتے ہوئے اس راز کو کھولا ہے کہ کس طرح ایک لکھاری اپنی تحریر کو اختتامی رنگ دیتا ہے۔ علاوہ ازیں لکھاریوں اور معاشرے کے باہمی رابطہ اور اس کے نتیجے میں مصنفین کی تحریر پر اثر انداز ہونے والے عوامل کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

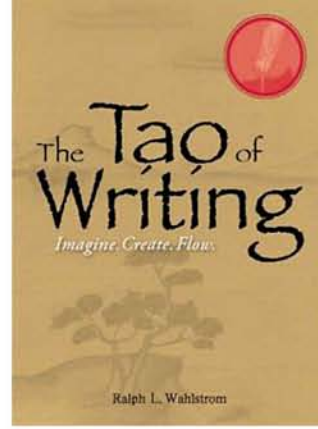


A Room of One's Own by Virginia Woolf - A, P, S, V

The "room" in the title of this extended essay refers to the literal and figurative space that writers, particularly women, need in order to find a place among literary society. Woolf uses narrator Judith, fictional sister of William Shakespeare, to reveal the obstacles women face in a male-dominated profession.

A Room of One's Own by Virginia Woolf - A, P, S, V

اس کتاب کا موضوع مردوں کی اس دنیا میں خواتین کو درپیش مشکلات کا بیان ہے۔ خصوصاً وہ خواتین جو ادبی حلقوں میں اپنا نام کمانا چاہتی ہیں۔ اپنے موضوع کو دلچسپ انداز میں بیان کرنے کے لئے مصنفہ نے ولیم شکسپیر کی افسانوی بہن کا ایک کردار گھڑا ہے جو ان تمام مشکلات کو بیان کرتی ہے جو ایک خاتون لکھاری کو برداشت کرنا پڑتی ہیں۔

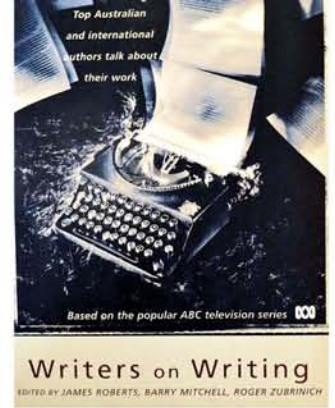


The Tao of Writing by Ralph L. Wahlstrom - A, P, S, V

English professor Wahlstrom applies the 12 principles of Taoism to writing, showing how concepts such as flow, change, discovery, and universality can help authors achieve harmony with their work. Although the book provides some practical tips, it is more focused on helping the reader embrace a more positive philosophy toward writing.

The Tao of Writing by Ralph L. Wahlstrom - A, P, S, V

انگریزی ادب کے پروفیسر Wahlstrom نے مشہور چینی فلسفے تائو ازم کے 12 اصولوں کو فن تحریر کو نکھارنے کے لئے استعمال کرنے کا انوکھا خیال پیش کیا ہے۔ مصنف بیان کرتا ہے کہ کس طرح منطقی ربط، تبدیلی، دریافت اور عالمگیریت کو موضوعات بناتے ہوئے ایک لکھاری اپنی تحریر میں نکھار پیدا کر سکتا ہے۔ ہر چند یہ کتاب مصنفین کو مفید مشورے کے لئے تحریر ہوئی ہے مگر اس سے قارئین کو بھی تحریر کو سمجھنے میں فلسفیانہ انداز میں مثبت مدد حاصل ہوئی ہے۔

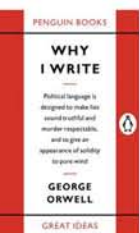


Writers on Writing by James Roberts, Barry Mitchell, and Roger Zubrinich - A, P

In this collection of essays, authors, primarily from Australia, reveal personal details about how they write, including describing characters and developing plot. U.S. crime-thriller authors Richard Ford and Janet Evanovich as well as Indian novelist Vikram Seth are among those who share their insights.

Writers on Writing by James Roberts, Barry Mitchell, and Roger Zubrinich - A, P

آسٹریلیا سے تعلق رکھنے والے لکھاریوں نے اس کتاب میں بیان کیا ہے کہ وہ اپنی تحریر کے موضوعات، کردار اور کہانی کو کس طرح ترتیب دیا کرتے ہیں۔ اس کتاب میں معروف امریکی ناول نگار رچرڈ فورڈ (جو کہ جرم و سزا اور تیس بھری کہانیاں لکھنے میں مشہور ہیں) نے اور معروف ہندوستانی ناول نگار وکرم سمیت بھی اس کتاب میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔



Why I Write by George Orwell - A, P

Through a series of four essays and one short story, Orwell, famous for his dystopic warning 1984 and revolutionary fable Animal Farm, shows how politics plays a large role in literature. In the title essay, he explains how political conflict in his formative years, such as the Spanish Civil War, motivated him to become a writer. ■

Why I Write by George Orwell A, P

یہ کتاب چار مضامین اور ایک مختصر کہانی پر مبنی ہے اس کا مصنف جارج آرویل اپنے انقلابی موضوعات کی بناء پر مشہور آفاق شہرت کا حامل ہے۔ آرویل کی لکھی گئی کتابیں "Animal Farm" اور "1984" نے دنیا بھر میں بے پناہ شہرت حاصل کی۔ آرویل بیان کرتا ہے کہ کس طرح سیاست ادب کے میدان میں اپنا کردار ادا کرتی ہے۔ اس کتاب کے ابتدائی مضمون میں مصنف بیان کرتا ہے کہ کس طرح اس کی زندگی کے فیصلہ کن مرحلے پر سیاسی واقعات مثلاً اسپینش سول وار نے اسے مجبور کیا کہ وہ تصنیف کا شعبہ اختیار کرے۔ ■

KEY

- A - Amazon (Online)
- P - Paramount Books (Islamabad, Karachi, Lahore, and Peshawar)
- S - Saeed Book Bank (Islamabad and Peshawar)
- V - Vanguard Books (Islamabad and Lahore)

جابی

- ایمیزون (آن لائن)
- پیرا مونت بکس (اسلام آباد، کراچی، لاہور، پشاور)
- سعید بک بینک (اسلام آباد، پشاور)
- وین گارڈ بکس (اسلام آباد، لاہور)

Kim Eggerton is an English Language Instructor at U.S. Embassy Islamabad
کم ایجرتون ایک انگریزی زبان کا انچیکر ہے جس کا تعلق U.S. ایمبسی اسلام آباد کے ساتھ ہے۔



books around the GLOBE

by holly beilin

کتاب

کرہ ارض پر

ہولی بیلین

“Reading gives us someplace to go when we have to stay where we are.”

- Mason Cooley

پڑھائی سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہم کہاں پر ہیں اور ہمیں کہاں پر جا کر رکھنا ہے

میسن کوولی

Although thus far my personal travel has not been extensive, I have relied on my love of reading to transport me to places far and wide. Some of my favorite authors are from other countries, and through their books I have gained knowledge and awareness about different ways of life around the globe. I want to share a few of these authors, and the books that have inspired and educated me.

Some of my first forays into international writing did not stray too far from home. South America has always fascinated me, and since I haven't yet had the opportunity to travel there, I decided to explore it through books. Gabriel Garcia Marquez is a writer from Colombia who became famous for his style of “magical realism.” This literary device allows Marquez to weave magical elements into otherwise realistic situations, creating suspenseful stories with unexpected plot twists. Garcia's most famous work, and my favorite of his novels, is called “100 Years of Solitude.” It is a chronicle of a large family, following the generations of children and grandchildren as they experience hardships and triumphs, births and deaths. The setting of this and several of his other novels is the fictional town of Macondo, which becomes almost like a real place as the reader watches it grow and evolve. Macondo is based on the actual founding of Colombia, so reading these books allowed me to better understand the history of that country and its inhabitants.

Another favorite author, Carlos Ruiz Zafon, is similar to Marquez in one respect: both of their writings were first published in Spanish and then translated into many other languages, including English. However, when I read Zafon's writing, I was jumping across the Atlantic Ocean: his captivating novel series is set in the city of Barcelona, Spain. Zafon's books feature his characters embroiled in the mysteries of this enigmatic city, and his imagination creates some of the most interesting plots and shadowy villains I have ever read. I have devoured every one of his books as quickly as I could get my hands on them.



مطالعہ ہمیں کسی اور دنیا میں لے جاتا ہے جب ہم وہاں ٹھہرنے پر مجبور ہوتے ہیں جہاں ہم ہوتے ہیں۔ ماسون کوولی کا یہ جملہ اُن لوگوں کے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے جو واقعی مطالعے کا شوق رکھتے ہیں۔ ایک اچھی کتاب اپنے قارئین کو کسی اور ہی جہان لے جاتی ہے جب وہ اس کی کہانی میں کھوکھڑے صفحات سے گزر رہے ہوتے ہیں۔ ایک اچھا مصنف اپنے قاری کو بنا گھر سے باہر نکلے زمان و مکان کی قید سے آزاد کر دیتا ہے۔

حالانکہ میرا ذاتی سفر کچھ وسیع ہے مگر میں نے کتابوں سے محبت کی وجہ سے بہت دور تک کا وسیع سفر کیا ہے۔ میرے کچھ پسندیدہ مصنفین کا تعلق مختلف ممالک سے ہے تو اُن کی تحریروں کے ذریعے میں نے دنیا میں موجود مختلف معاشروں کا علم اور اُن کے متعلق شناسائی حاصل کی ہے، میں کچھ مصنفین اور کتابوں کا تذکرہ کرنا چاہوں گا جنہوں نے مجھے متاثر کیا۔

میرے پہلے پابل کے پسندیدہ انٹرنیشنل لکھاری میرے گھر سے بہت زیادہ دور نہیں تھے۔ جنوبی امریکہ نے مجھے ہمیشہ سے ہی متاثر کیا ہے مگر اب تک مجھے وہاں گھومنے اور دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تو میں نے فیصلہ کیا میں اس کو کتابوں کے ذریعے دیکھوں گا۔ گیبریل گارشیما مارکیز کولمبیا سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنی جادوئی حقیقت نگاری کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔

اس ادبی صلاحیت نے مارکیز کو یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ اپنی تحریر کے جادوئی رنگ کو حقیقت بھری صورت حال میں بھر دے اور ایسی کہیں بھری تحریر لے کر آئے جس میں غیر یقینی موڑ ہوں اور غیر معمولی پلاٹ ہو۔ گارشیما مارکیز کی

“Books have allowed me to transform my worldview, by exposing me to other cultures and viewpoints I otherwise never would have had the chance to experience.”

As I got more adventurous in my fictional travels, I came upon a book in the library that looked like it would allow me to explore a whole new setting. “A Fine Balance,” by the Indian author Rohinton Mistry, is set in the capital city of Mumbai, India. It follows four characters from different backgrounds who come together and end up depending on each other. Not only was it a great read, but reading Mistry's novels helped me understand the customs and traditions of a country halfway around the globe, one I have never set foot in. As with the other books, reading this novel allowed me to escape my physical reality and experience a whole new way of life and culture, if only for a little while.

One of the reasons I love writing so much is that I have seen, through my own love for reading, how an author's words can reach so much farther on a page than a mere voice. Books have allowed me to transform my worldview, by exposing me to other cultures and viewpoints I otherwise never would have had the chance to experience. ■

Holly Beilin is a virtual intern for U.S. Consulate Peshawar and a student at University of North Carolina, Chapel Hill

کتابوں نے مجھے اس بات کی اجازت دی ہے کہ میں اپنے خیالات کا برملا اظہار کر سکوں اور اس کے برعکس دوسرے ثقافتی پہلوؤں اور کتابوں نے مجھے اجازت دے رکھی ہے کہ میں دنیا دیکھنے کے تجربے کو تبدیل کر سکوں بطور اظہار کرتے ہوئے کہ دوسرے ثقافتی اور نقطہ نظر کو ورنہ مجھے کبھی بھی تجربہ کرنے کا موقع نہ ملا ہوتا۔

معروف ترین اور اپنی پسندیدہ تحریر اُس کا ناول "100 Years of Solitude" ہے۔ یہ ایک خاندان کی مرحلہ وار کہانی ہے جس میں نسل در نسل کی کہانی موت، پیدائش، مشکلات اور کامیابیوں کی کہانی بیان کرتی ہے۔ مارکیز کے اس ناول اور دیگر ناولوں میں بھی کہانی کی خوبصورتی یہ ہے کہ ان کا آغاز ایک افسانوی قصبے ماکونڈو سے ہوتا ہے جو ایک حقیقی شہر کی مانند لگتا ہے جب قاری اس کی فضا میں سانس لیتا رہا ہوتا ہے۔ ماکونڈو کولمبیا ہی کی عکاسی کرتا ہے لہذا مارکیز کی کتابیں پڑھنے سے مجھے کولمبیا کے متعلق بہت کچھ جاننے کا موقع ملا۔

میرا دوسرا پسندیدہ مصنف کارلوس روئز زافون ہے کو مارکیز سے ہی ملتا جلتا ہے دونوں ہی ہسپانوی زبانوں میں ترجمہ کی گئیں۔ جب میں نے زافون کی تحریریں پڑھیں تو میں بحر اوقیانوس سے پار تک کی دنیا میں جینے لگا۔ اُس کی تحریر کردہ ناولوں کا مرکزی خیال اسپین کا شہر بارسلونا ہے۔ زافون کی خاص پہچان اس کا نہ سمجھ میں آنے والا شہر اور اس سے تعلق رکھنے والے پراسرار کردار ہیں اور پھر زافون کا تخیل جو دلچسپ پلاٹ اور حیرانگیز روٹن کی تخلیق کرتا ہے میں نے اس طرح کی کوئی اور تحریر نہیں پڑھی۔ وہ سب سے الگ لکھتا ہے۔ میں نے اُس کی تمام تحریروں کو پانچوں کی طرح جمع کیا اور پھر انہیں پڑھ کر ہی دم لیا۔

خیال کی دنیا میں میرا یہ سفر مجھے لائبریری میں ایک ایسی کتاب تک لے کر پہنچا جسے دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ اگر میں نے اس کتاب کو پڑھ لیا تو میں دنیا کے بالکل منفرد رنگ سے واقف ہو جاؤں گا۔

"A fine balance" ایک انڈین مصنف روہین مستری کی لکھی ہوئی کتاب جس کا مرکزی خیال ممبئی ہے جو کہ مہاراشٹر انڈیا کا دارالحکومت ہے۔ اس کا آغاز چار کرداروں سے ہوتا ہے جو مختلف پس منظر سے تعلق رکھتے ہیں مگر اس شہر میں اکٹھے ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے پر انحصار کرنے لگتے ہیں۔ نہ صرف یہ ایک خوبصورت تحریر تھی بلکہ مستری کی لکھی ہوئی کتابوں سے مجھے ایک ایسے ملک کی ثقافت اور رسم و رواج کے متعلق جاننے کا موقع ملا جو دنیا کے دوسرے کونے پر واقع ہے اور جہاں میں نے کبھی قدم نہیں رکھا۔ اس کتاب نے اور دیگر دوسری کتابوں نے مجھے یہ موقع فراہم کیا کہ میں چند لمحوں کے لئے ہی سہی پرانی جسمانی حقیقت سے باہر نکل کر دنیا دیکھ سکوں اور مختلف ثقافتوں میں سانس لے سکوں۔

کتابوں سے میرے عشق کی وجہ یہ ہے کہ میں یہ دیکھ چکا ہوں اپنے ذاتی تجربے سے کہ ایک لکھاری کس قدر گہرائی میں ایک صفحے کے ذریعے پہنچ سکتا ہے جہاں تک آواز بھی نہیں جاسکتی۔ کتابوں نے دنیا جہاں کے متعلق میری رائے کو بہت تبدیل کر دیا ہے کیونکہ انہوں نے مجھے چانس دیا ہے کہ میں مختلف ثقافتوں کے اُن پردوں میں جھانک سکوں جن کو میں اس ذریعے کے علاوہ کبھی نہیں پہچان سکتا تھا۔ ■

ہولی بیلین امریکی قونصل خانہ پشاور میں ورچوئل انٹرن میں اور یونیورسٹی آف نارٹھ کیرولائنا چپل ہل میں زیر تعلیم ہیں

American EDUCATION Opportunities Related to ENTERTAINMENT

by Renuka Raja Rao
and Anita Buragohain

ریٹوکارا جارا دا اور
انیتا براگوہین

امریکن تعلیمی مواقع برائے تفریح

Modern technologies have made it possible for the whole world to wake up simultaneously to the new iPad and the movie "Avatar." The spectrum of modern entertainment is indeed wide, including movies, TV, radio, computer games, theater and live performances, theme parks, even sport, hospitality and fashion.

Education in the United States has kept pace with the demands of the entertainment industry, and tailored programs of study geared toward entertainment. From graphic art to computer and video games, film and TV production to acting and fashion merchandising, U.S. educational institutions offer various courses and programs.

We take a look at the gaming industry as an example.

Spread across genres and disciplines, a video game is the perfect blend of creative inspiration and technological expertise. Encompassing multiple delivery platforms, they are routinely used to raise awareness on various social issues, and even improve student learning outcomes.

Courses for prospective students interested in grabbing a piece of the action are on the rise as well. Broadly speaking, most of these programs are planned around building competencies in one of the following areas.

There are several design programs in America for students from a fine arts or writing background, who wish to get involved with the artwork and storyline aspects of a video game. The Academy of Art University in San Francisco, California boasts an entire graduate school devoted to game design, while Full Sail University offers a master's degree in the same field. Other schools like

جدید ٹیکنالوجی نے پوری دنیا کے لیے ممکن کر دیا ہے کہ وہ نئے آئی پیڈ اور اوتا فلم سے ایک ساتھ لطف اندوز ہو سکیں۔ جدید تفریح کا دائرہ براہ راست ہے جس میں فلمز، ٹی وی، ریڈیو، کمپیوٹر گیمز، تھیٹر، براہ راست پرفارمنسز، تھیم پارکس، ایون سپورٹس، ہاسٹیلٹی اور فیشن شامل ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں تعلیم نے اپنی رفتار کو انٹرنیٹ، انڈسٹری کے ہم آہنگ رکھا ہے اور تعلیمی پروگرام انٹرنیٹ کی دنیا کو مزید نکھار رہے ہیں۔ چاہے گرافک آرٹ ہو یا کمپیوٹر یا ویڈیو گیمز، فلم ہو یا ٹی وی پروڈکشن، ایکٹنگ اور فیشن، امریکی تعلیمی اداروں نے مختلف کورسز اور پروگرامز ان کی تعلیم کے لئے متعارف کروا رکھے ہیں۔ بطور مثال ہم گیمنگ انڈسٹری کا جائزہ لے سکتے ہیں۔

زندگی کے تمام شعبہ جات تک وسیع ایک ویڈیو گیم تخلیق کی صلاحیتوں اور ٹیکنالوجی کے کمال کی بہترین شکل ہے۔ مختلف ڈیجیٹل پلٹ فارم ہونے کی وجہ سے یہ گیمز مختلف سماجی معاملات میں شعور بیدار کرتی ہیں اور طلبہ کے لیے سیکھنے کے نئے مواقع مہیا کرتی ہیں۔ ان طلبہ کے لیے نئے کورسز کا رواج بڑھ رہا ہے جو ایکشن کو موضوع بنانا چاہتے ہیں۔ قصہ قصہ! زیادہ تر پروگرامز درج ذیل شعبہ جات میں مہارت کے لئے ہیں۔ امریکہ میں ان طلبہ کے لئے بہت پروگرامز ہیں جو فائن آرٹس یا لکھنے میں دلچسپی لیتے ہیں جو چاہتے ہیں کہ وہ ویڈیو گیمز میں آرٹ ورک یا کہانی تحریر کرنے والے کی حیثیت سے شامل ہو سکیں۔

کیلی فورنیا میں سان فرانسسکو آرٹ یونیورسٹی گیم ڈیزائن میں ایک گریجویٹ اسکول کو چلا رہی ہے جبکہ فل سیل یونیورسٹی اسی شعبے میں ماسٹرز ڈگری جاری کرتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی مختلف سکولز جیسا کہ سوانا کالج آف آرٹ اینڈ ڈیزائن بھی گیمز ڈیزائن میں پوسٹ گریجویٹ کرواتے ہیں۔ کمپیوٹر پروگرامنگ اور کمپیوٹر انجینئرنگ میں مزید کورسز جدید ترین ٹیکنالوجیکل ماحول میں کراوے جاتے ہیں جہاں کمپیوٹر سے بنائی گئی تصاویر اور مصنوعی ذہانت کی تعلیم پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ یہاں پر خاص توجہ ڈوڈنگ اور سولوشن پر دی جاتی ہے اور ساتھ ساتھ اعلیٰ ترین گرافکس اور ایڈیشن پلٹ فارمز کا بھی وسیع تجربہ مہیا کیا جاتا ہے۔

“From graphic art to computer and video games, film and TV production to acting and fashion merchandising, U.S. educational institutions offer various courses and programs.”

Savannah College of Art and Design also have postgraduate courses in game design.

Next, courses in computer programming and computer engineering specific to gaming are conducted in cutting-edge technological environments, and focus on a mastery of areas such as computer generated imagery and artificial intelligence, to name a few. The focus here is on coding and simulation, alongside an exposure to state-of-the-art graphics and animation platforms. University of Pennsylvania has a computer graphics and game technology program, while West Virginia University offers a master's degree in interactive technologies and serious gaming. Worcester Polytechnic Institute also offers a master's degree in interactive media and game development. Carnegie Mellon's master's in entertainment technology is another unique program tailored to the video game industry, in which technologists and creative professionals develop competencies in each other's areas of expertise.

Typically, areas other than programming and design also feature in such courses. As game development is an overwhelmingly collaborative enterprise, a project management component is included in most syllabi. Product management covers the entrepreneurial knowledge required to effectively publish, distribute and market a game after its completion.

Though largely found at the postgraduate level, undergraduate offerings centered on gaming are also rapidly emerging. University of Southern California, Rensselaer Polytechnic Institute, Massachusetts Institute of Technology, Becker College, Champlain College and DePaul University are among the institutions that offer undergraduate majors in game design or development. The Peterson's search engine found at www.petersons.com is useful for both undergraduate and graduate programs. Students may use the 5 Steps to U.S. Study on the EducationUSA Web site http://www.educationusa.info/5_steps_to_study/ to navigate the process of applying and going to American schools.

The breadth and diversity of the material and skills that fall under the category of game development can, like the games themselves, be breathtaking. And no matter where your talents and inclinations lie, chances are there is a stage of the gaming experience you can excel at. All it takes is the love of a good challenge. ■

Renuka Raja Rao is the country coordinator and Anita Buragobain is an educational adviser for EducationUSA Advising Services at the United States-India Educational Foundation in New Delhi.

چاہے گرافک آرٹ ہو یا کمپیوٹر یا ویڈیو گیمز، فلم ہو یا ٹی وی پروڈکشن، ایکٹنگ اور فیشن، امریکی تعلیمی اداروں نے مختلف کورسز اور پروگرامز ان کی تعلیم کے لئے متعارف کروا رکھے ہیں۔ بطور مثال ہم گیمنگ انڈسٹری کا جائزہ لے سکتے ہیں۔

یونیورسٹی آف پنسلوانیا میں ایک شعبہ کمپیوٹر گرافک اور کمپیوٹر پروگرامنگ کا ہے جبکہ ویسٹ ورجینیا یونیورسٹی انٹرکینیٹکنا لوجی اور سیرکس گیمنگ کے شعبے میں ماسٹرز ڈگری کی پیشکش کرتی ہے۔ Worcester Polytechnic Institute بھی انٹرکینیٹکنا میڈیا اور گیم ڈویلپمنٹ میں ماسٹرز کی ڈگری کی پیشکش کرتا ہے۔ Carnegie Mellon's کا انٹرنیٹ ٹیکنالوجی میں ماسٹرز کا پروگرام ایک منفرد پروگرام ہے اور یہاں تحقیقی پروفیشنل ایک دوسرے کے شعبہ میں بہترین تعلق قائم کرتے ہوئے ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ پروگرامنگ اور ڈیزائن کے علاوہ بھی یہاں کورسز مہیا ہیں۔ جیسا کہ گیم ڈویلپمنٹ ایک مشترکہ کاروبار ہے بہت سے اداروں کے نصاب میں پروڈیکٹ مینجمنٹ بھی شامل ہے۔ پروڈیکٹ مینجمنٹ وہ کاروباری علم ہے جو سکھاتا ہے کہ ایک گیم کی تیاری کے بعد اس کی پبلیشنگ، ڈسٹری بیوشن اور مارکیٹنگ کو کس طرح بہترین طریقے سے سرانجام دیا جاسکتا ہے۔

ہر چند کہ پوسٹ گریجویٹ لیول پر بہت سارے کورسز موجود ہیں مگر انڈر گریجویٹ لیول پر بھی گیمز کے متعلقہ تعلیم پر بھی کافی کام ہو رہا ہے۔ University of Southern California, Rensselaer Polytechnic Institute, Massachusetts Institute of Technology, Becker College, Champlain College اور DePaul University یہ وہ چند ادارے ایسے ہیں جو کہ انڈر گریجویٹ لیول پر گیمز ڈویلپمنٹ کے پروگرامز آفر کرتے ہیں۔

طلبہ اپنی مدد کیلئے USA Education کی ویب سائٹ پر 5 Steps سے معلومات لے سکتے ہیں۔ http://www.educationusa.info/5_steps_to_study/ to navigate the process of applying and going to American schools.

وہ وسعت اور کثرت جو گیم ڈویلپمنٹ کے شعبہ میں موجود ہے اُس میں مہارت حاصل کرنا اتنا ہی حیران کن ہے جتنا کہ ایک ویڈیو گیم حیران کن چیز ہوتی ہے۔ اور کوئی مسئلہ نہیں کہ آپ کی صلاحیتیں اور آپ کا ٹیلنٹ کس قدر ہے؟ مواقع موجود ہیں کہ بس گیم کے تجربے کی ہی طرح ہے بس آپ چیلنج قبول کر لیں۔ ■

ریٹو کارلر راجو رائو یونائیٹڈ اسٹیٹس۔ انڈیا ایجوکیشنل فاؤنڈیشن، دہلی میں کنٹری کوارڈینیٹر ہیں اور انیتا ایجوکیشنل ایڈوائزر فار ایجوکیشنل یو ایس اے ایڈوائزنگ سروسز ہیں۔

In other rooms, other

Wonders

is a wonder to behold

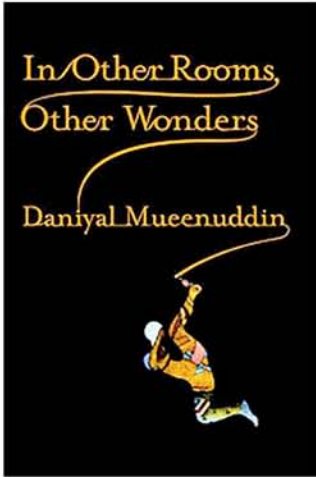
by Tim Bugansky

دوسرے کمروں میں دوسری

حیران کن بات

ایک حیرانگی ہے

ٹم بگنسکی



Pakistani-American Author Daniyal Mueenuddin has taken the triumphs, travails, and trivialities of everyday Pakistani life and conjured an enchanting set of tales that both reflect and examine the realities of life in this country. In Other Rooms, Other Wonders is a series of eight interconnected but standalone short stories that balance a breezy, fairytale-like quality with an exceedingly modern depth and complexity.

Mueenuddin, according to the biography included in the version reviewed, "was brought up in Lahore, Pakistan and Elroy, Wisconsin" and "now lives on a farm in Pakistan's southern Punjab." Just as the writer himself straddles different worlds, the interactions between people from different spheres of life are critical to his book.

پاکستانی نژاد امریکی مصنف دانیال معین الدین نے بہت خوبصورتی سے کامیابیوں، تکلیفوں اور عام موضوعات کو عنوانات بناتے ہوئے خوبصورت اور دل موہ لینے والی کہانیاں ترتیب دی ہیں جو پاکستان کی روزمرہ زندگی کی عکاس ہیں۔

In Other Rooms, Other Wonders is a Wonder to Behold آٹھ کہانیوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے جن کے موضوعات ملتے جلتے ہیں اور ایک خوشگوار حیرت لئے ہوئے یہ کہانیاں جدید زمانے کی پیچیدگیوں اور گہرائیوں کا خوبصورت جائزہ ہیں۔

معین الدین اپنی آپ بیتی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ وہ لاہور پاکستان اور الوری، وکونسن ریاستہائے متحدہ امریکہ میں پلے بڑھے ہیں اور ان دنوں صوبہ پنجاب کے جنوبی علاقے میں ایک فارم پر رہائش پذیر ہیں۔ جس طرح مصنف خود بکھرے ہوئے جہان کا باسی ہے اسی طرح اس کی تحریر میں بھی مختلف پس منظر کے حامل لوگوں کا میل جول جھلکتا ہے۔

اُس کے کردار زندگی کے بھرپور رنگ لئے ہوئے پڑے اعتماد ہیں۔ ایک کھٹی میٹھی نازک اور دل موہ لینے والی کہانی "A Spoiled Man" ہے جس میں ایک بچپلوں کے باغ کا رکھوالا ایک بوڑھا آدمی ہوتا ہے جو چھوٹے چھوٹے ڈرے بنا کر مختلف گھروں میں فروخت کرنے کا ادنیٰ سا کام کرتا ہے۔

ایک بے غرض "نواب الدین الیکٹریشن" ہے جو اپنے مالک کے ساتھ چالاکیاں کرتا ہے اور موت کو دھوکہ

The challenges Mueenuddin presents for his characters are everyday struggles - how to maintain dignity while getting ahead in the world, how to balance love with practicality, how to be true to oneself while also pleasing others, how to gracefully face major life events such as marriage, child-rearing, and death.

His characters are colorful yet believable. There is the elderly orchard-keeper of the tender, bittersweet, and heart-wrenching story "A Spoiled Man" who transports the small, simple shed that is his home from menial job to menial job. The conniving "Nawabdin Electrician" manipulates his employer and cheats death in the story that bears his name. The hard-partying young woman in "Lily" desperately seeks to change her life while simultaneously clinging to her self-destructive ways. The American-educated young man in "Our Lady of Paris" must determine if he can pursue true love and also stay true to his

معین الدین کے کردار جس تکلیف میں مبتلا ہیں وہ اپنی انا اور عزت کو موجودہ زمانے میں تحفظ کرنے کی فکر ہے۔ محبت اور پیشہ ورانہ زندگی میں درمیان رویہ ایک سے مخلص ہوتے ہوئے دوسرے کو کس طرح خوش رکھنا ہے اور کس طرح دانشمندی سے زندگی کے ان واقعات کا سامنا کرنا ہے جو زندگی کو نئے موڑ دیتے ہیں مثلاً شادی، بچوں کی پیدائش، عزیزوں کی مرگ، ان تمام واقعات سے کس طرح گزرنا ہے کہ ان واقعات سے جو پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں وہ کم سے کم ہیں اور فیصلہ کرنے کے لحاظ میں ایسے فیصلے کئے جائیں کہ بعد ازاں پچھتاوان نہ ہو۔ طاقت کے حصول کی تکلیف نے ان کہانیوں میں فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے۔ معین الدین نے مختلف رشتوں کو موضوع بنایا ہے۔

ہے۔



دیتا ہے کہانی کا عنوان اسی کے نام پر ہے۔ ایک سخت جان عورت "للی" میں اپنی زندگی کو بدلنے کی بے حد خواہش مند ہوتی ہے۔ دریں اثنا وہ اپنی موجودہ تباہ حال زندگی سے بھی جڑی ہوئی ہے۔ "Our Lady of Paris" میں ایک امریکی پلٹ تعلیم یافتہ نوجوان جو اس شش و پنج میں مبتلا ہے کہ اپنی سچی محبت، اپنی ثقافت اور اپنے والدین کو کس طرح ساتھ لے کر چلے۔ ہمیشہ یاد رہے جانے والے خوبصورت اور جیتے جاگتے اور بھی کئی کردار اس مجموعے میں شامل ہیں۔ مثلاً بدعنوان پولیس والے، سرکاری ملازمین، جاگیردار، مزدور، غیر ملکی تارکین، خصوصی معاندین، ڈرائیورز، باورچی، گھر میں کام

culture and his parents. A host of other memorable characters also populate the book - corrupt police officers, civil servants in decline, and a litany of landholders, laborers, overseers, valets, drivers, cooks, and housemaids, all with a flair for gossip and intrigue.

Always looming in the background of the stories - and at times figuring directly as a character - is K. K. Harouni, a former civil servant and landholder from a once established and influential family. Like Pakistan itself, Harouni's world is changing, from a traditional society based upon rural landholding and predictable social relationships to a more mobile, dynamic, industrial, and ultimately less predictable place.

The challenges Mueenuddin presents for his characters are everyday struggles - how to maintain dignity while getting ahead in the world, how to balance love with practicality, how to be true to oneself while also pleasing others, how to gracefully face major life events such as marriage, child-rearing, and death. The events unfold in measured precision, each moment full of quiet tension, each decision taken with the knowledge that it will open a door that cannot be closed.

Power dynamics play a significant role in these stories. Mueenuddin employs the interactions of various relationships - mother-son, employer-employee, husband-wife, patron-client - as steps in a delicate dance of anticipation, maneuvering, and response. But these power struggles are portrayed in three-dimensional ways: servant often manipulates employer, woman manipulates man, and all must reflect on the consequences of their actions or inactions.

The scenery of Pakistan itself - from Lahore to Islamabad to the countryside of rural Punjab

کرنے والی خامدائیں، جوانی اپنی خوابشات کے تحت سازشوں اور افواہوں میں مصروف ہیں۔ ہمیشہ کہانیوں میں دلچسپی لینے والا اور کبھی کبھی خود بھی بطور کردار غور و فکر میں مشغول کے۔ کے ہارونی ایک سابق سرکاری بیوروکریٹ اور زمیندار ہے اور ایک متمول اور معروف خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ پاکستان کے عمومی معاشرے کی طرح ہارونی کی زندگی بھی تبدیلی سے گزر رہی ہے۔ روایتی طریقہ کار زندگی جو کہ دیہات سے متعلق، جہاں رشتوں میں محبت شامل تھی مگر اب شہری زندگی پر مبنی تیزی سے بدلتے ہوئے شب و روز مختلف جہتوں میں تقسیم، زندگی کے رنگ، صنعت کا شور اور سماجی رشتوں میں غیر یقینیت نے پچھلی زندگی کے رنگ مدہم کر دیئے ہیں۔

معین الدین کے کردار جس کشش میں مبتلا ہیں وہ اپنی انا اور عزت کو موجودہ زمانے میں تحفظ کرنے کی فکر ہے۔ محبت اور پیشہ ورانہ زندگی میں درمیانہ رویہ، ایک سے مخلص ہوتے ہوئے دوسرے کو کس طرح خوش رکھنا ہے اور کس طرح دانشمندی سے زندگی کے اُن واقعات کا سامنا کرنا ہے جو زندگی کو نئے موڑ دیتے ہیں مثلاً شادی، بچوں کی پیدائش، عزیزوں کی مرگ، ان تمام واقعات سے کس طرح گزرنا ہے کہ ان واقعات سے جو پریشانیوں لاحق ہوتی ہیں وہ کم سے کم ہیں اور فیصلہ کرنے کے لحاظ میں ایسے فیصلے کئے جائیں کہ بعد ازاں پچھتاوا نہ ہو۔ طاقت کے حصول کی کشش نے ان کہانیوں میں فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے۔ معین الدین نے مختلف رشتوں کو موضوع بنایا ہے۔

ماں اور بیٹا، ماں اور غلام، میاں اور بیوی، گاہک اور دکاندار کہ یہ سب رشتے کس طرح انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ طاقت کے حصول کی کشش کو تین طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ ملازم کبھی کبھار مالک سے دھوکہ اور چالاکی کرتا ہے۔ عورتیں مردوں سے چالاکی کرتی ہیں اور ان سب کا انجام ایک نہ ایک دن

- figures prominently in the book, as well. Mueenuddin carefully crafts descriptions of landscapes and dwellings in a way that reflects the traditions his characters hold dear and the challenges they face throughout the stories. Village-studded mountains, inviting apple orchards, mysterious mango trees, vast wheat fields, the broad sweep of the Indus river, the impersonal but intrusive nature of bazaars, glittering upscale shops, simple peasant

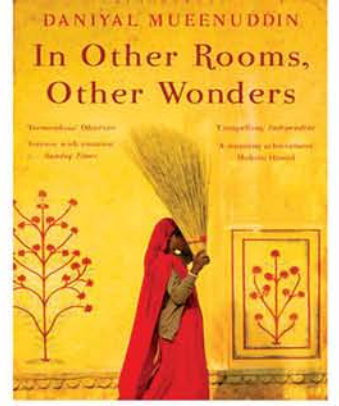
Even when the stories venture into international venues, the pull that Pakistan exerts upon its expatriates and the delicate social intricacies of Pakistani society are never far behind.

houses, and elaborate mansions - all of them serve as backdrops against which the quiet but pivotal dramas of the characters' lives unfold. The author uses the stories' settings to help move the drama along, to serve as yet another reflection of his characters' interior and exterior struggles.

"In July the monsoon began, a strong monsoon, with rain and enormous clouds towering over the flat desert that fell right to the edge of the river," he writes in "Provide, Provide." The story's poor female protagonist flees an unhappy home in the city and tries her hardest to make a life for herself back in her home village. But she and others in the story find that happiness and success are not necessarily the same, and striving for both can be a bitter struggle, like fighting to raise crops in a harsh countryside. "It had rained all day and all

جھگٹتا ہوتا ہے۔ لاہور سے اسلام آباد تک پاکستان کا نظارہ، دیہی پنجاب کی ثقافت اور اس کے رنگ، کتاب میں تفصیلاً بیان کئے گئے ہیں اور اس کے علاوہ معین الدین احتیاط سے اپنی کہانیوں کو بٹاتا ہے کہ وہ قدرت کی خوبصورتیوں کا بیان اور کرداروں کی زندگیوں سے بھی پردہ اٹھاتا ہے وہ خوبصورت انداز سے بتاتا ہے کہ کرداروں کو پوری کہانی میں کس طرح روایتی اور غیر روایتی مسائل کا سامنا رہا۔ دیہاتی پہاڑ، پُرکشش سیبوں کے باغات، پُرسراریت بھرے آموں کے درخت، کھلے اور وسیع گندم کے کھیت اور میلوں چوڑا دریائے سندھ، بے چین ہوا، چمکدار دکانیں، مزارعین کے سادہ گھر اور بڑے امراء کے بنگلے، معین الدین کے جیتے جاگتے کرداروں کا پس منظر ہیں۔ مصنف نے کہانی کے ڈرامے کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ کرداروں کی اندرونی اور بیرونی کشش کی عکاسی ہو سکے۔

"Provide, Provide" میں معین الدین، مون سون کا بیان کرتا ہے کہ جولائی کے آغاز پر ایک صحرا کے اوپر بادلوں اور بارش کا سماں ہے جو ایک دریا کے بالکل کنارے پر واقع ہے۔ اس کہانی کا مرکزی کردار ایک غریب عورت ہے جو ایک شہر میں عسرت کی زندگی بسر کر رہی ہے اور ہمیشہ سخت محنت کرتی ہے کہ وہ اپنے دیہاتی گاؤں کی زندگی کی طرف واپس لوٹ جانا چاہتی ہے۔ مگر وہ اور اُس جیسی دوسری عورتیں کہانی میں اس کا راز پالیتی ہیں کہ کامیابی اور خوشی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ایک ہی ہوں۔ ان دونوں کے حصول کی کوشش کی ایک کڑی تکلیف دہ محنت بھی ہو سکتی ہے جس طرح مشکل زمین میں فصلوں کی کاشت تکلیف دہ محنت کا سبب ہوتی ہے۔ صبح سے رات تک بارش ہوتی رہی! جیسا کہ مصنف نے بیان کیا۔ "جھگٹائی" اپنے کھیتوں میں آکر جائزہ لیتی ہے کہ کیا کپاس کے کھیتوں سے پانی کی نکاسی مسلسل ہو رہی ہے یا نہیں کیونکہ کھیت میں پانی رہ جائے تو اور اگلی صبح سورج چمکنے لگے تو پانی گرم ہونے سے جو گرمی اور حرارت ہوگی اُس سے فصل جل کر رہ



Taken together, the stories of In Other Rooms, Other Wonders form a delightful, dazzling array of inquiries and impressions that sparkle on in the mind of the reader long after the final page has been turned.

night,” the author continues, “and Jaglani came to the farm to oversee the pumping of water from the cotton fields... If the sun shone on the plants while they stood in the water, the reflected heat would kill them.”

In “Lily,” the focus shifts from traditional country dwellers to urban, Western-oriented young people from well-to-do families. But despite their lives’ relative wealth and abundance, they too strive to carve a place for themselves and often find it a difficult task; one Mueenuddin teases out through their interactions with each other and their surroundings. Of the title character, he writes, “Walking out onto the sand, she took off her sandals and carried them in her hand. The place seemed immense and empty, a huge bowl of rock, with the cool river running through it, the blue and white stripes of the two tributary rivers beginning to mingle. A breeze blew off the water, increasing the loneliness, rolling up a tube of sand, which snaked in front of her, rustling softly.” For Lily, the landscape about her symbolizes her desire to discover a new life for herself amidst the loneliness she feels.

Even when the stories venture into international venues, the pull that Pakistan exerts upon its expatriates and the delicate

جائے۔

”للی“ میں کہانی کا مرکزی کردار روایتی دیہاتی ثقافت نہیں ہے بلکہ شہری زندگی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ کہانی کے کردار مغربی طرز کے تعلیم یافتہ امیر گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر دولت اور امارت کے باوجود وہ معاشرے میں اپنا مقام تلاش کرنے کی بہت حد تک کوشش کرتے ہیں۔ مگر وہ اس کو مشکل کام پاتے ہیں۔ معین الدین، جو خود کو اپنے ارد گرد کے ماحول کی وجہ سے بہت تکلیف میں محسوس کرتا ہے مرکزی کردار کے حوالے سے، مصنف لکھتا ہے کہ جب وہ ریت پر اکیلے چل رہی ہوتی ہے تب اپنے سینڈلز کو اتار کر اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیتی ہے۔ وہ جگہ وسیع اور خالی ہوتی ہے پتھروں کی ایک پگھلندی اور ٹھنڈے پانی کا ایک دریا جو کہ درمیان سے گزر رہا ہوتا ہے۔ دریا کے دو دھارے سفید اور نیلے جو آپس میں مل رہے ہیں پانی کے اوپر ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے اور تنہائی بڑھتی جا رہی ہے۔ ریت کی لہریں جو اس کے سامنے بکھر رہی ہیں اور یوں گماں ہوتا ہے کہ گویا کوئی سانپ دھیرے دھیرے لہر رہا ہو۔

”للی“ اس سارے منظر اور اپنے خیالات کو یکساں محسوس کرتے ہوئے سوچتی ہے کہ کاش وہ ایک نئی زندگی کا آغاز کر سکے جہاں یہی تنہائی ہو جسے وہ اپنے اندر محسوس کر رہی ہے۔ یہاں تک کہ جب کہانیاں بین الاقوامی مقامات تک پہنچتی ہیں تب بھی پاکستان کے سماجی تعلقات کا رنگ مدہم نہیں پڑتا۔ “Our Lady of Paris” میں جب مرکزی کردار اپنے والدین کے ہمراہ اپنی امریکی گرل فرینڈ کو ایک رومینک چھٹی منانے کے لئے ساتھ لے کر جاتا ہے۔

”ہیلن“ کے لئے ضروری تھا کہ وہ سہیل کے والدین کا خاص خیال رکھے خصوصاً اُس کی ماں کا جو یہ دعا کرتی ہے کہ دو محبت کرنے والے ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں۔ جب اس کا بیٹا ہیلن کے پیچھے نیو یارک جاتا ہے تب اس کی کہتی ہے کہ وہ کبھی خوش نہیں رہ سکے گا وہ کبھی اچھی زندگی نہیں گزار سکے گا۔

social intricacies of Pakistani society are never far behind. In “Our Lady of Paris,” the young protagonist’s parents tag along on a romantic holiday trip he has arranged with Helen, his American girlfriend. Helen must endure the cordial but intense scrutiny of Sohail’s parents, especially his mother, who uses Helen’s love for Sohail to pry the two lovers apart. Her son would follow Helen back to New York, his mother says, “But I promise you, he wouldn’t be happy, he wouldn’t feed the best part of himself.”

While exploring timeless themes such as love, greed, and jealousy, Mueenuddin also examines modern concerns - like violence toward women and public corruption in the brief but searing story “About a Burning Girl.” Other timely topics that his stories touch upon include drug and alcohol abuse, politics, poverty, migration to the cities, and conflicts between the worldviews of Western-leaning young people and those of their parents.

But above all the author’s interest is in relationships - be they between people, places, cultures, or an intermingling of them all - and the way individuals perceive, pursue, and react to the things that hold power over them. Each one of these stories is a jewel, well-crafted and nuanced and with many ways of reflecting the same light. They all show a very human face of life in Pakistan to readers from abroad, and they offer a chance for Pakistani readers to recognize and reflect upon their fellow citizens and themselves. Taken together, the stories of In Other Rooms, Other Wonders form a delightful, dazzling array of inquiries and impressions that sparkle on in the mind of the reader long after the final page has been turned. ■

Tim Bugansky is a Consular Officer at U.S. Embassy Islamabad

زمانے کی قید سے آزاد محبت، لالچ اور حسد کے جذبات کو موضوعات بناتے ہوئے جب معین الدین کہانیاں بیان کرتا ہے تب بھی وہ جدیدیت کو پس منظر میں نہیں رکھتا۔ جیسا کہ تشدد جو خواتین پر روا رکھا جاتا ہے اور کرپشن جو کہ عوام میں عام ہے۔ “About a Burning Girl” کی مختصر مگر پراسرار کہانی کا موضوع یہی ہے۔ اور دیگر کہانیوں میں بھی اس نے جدید زمانے کے مسائل کو مثلاً شراب، سیاست، غربت، شہروں کی طرف ہجرت اور مغرب زدہ پڑھے لکھے جوانوں کے اپنے والدین سے تنازع کو اپنے قلم سے بیان کیا ہے۔ حقیقتاً مصنف کا ذاتی دلچسپی کا موضوع انسانی تعلقات ہیں چاہے وہ لوگوں کے درمیان ہوں یا جگہوں کے درمیان ہوں یا ثقافتوں کے درمیان ہوں یا ان سب کا ملاپ۔ افراد کا طاقت کے زیر اثر، سمجھنے کا عمل، اُس کے ساتھ چلنے کا طریقہ اور اُس کے خلاف رد عمل کو بھی موضوعات میں شامل رکھا گیا ہے۔ تمام کہانیاں خوبصورتی سے اور متنوع انداز سے بنی گئی ہیں کہ وہ ایک ہی طرح کے مسائل کو مختلف انداز سے بیان کرتی ہیں۔ بیرون ملک سے پڑھنے والوں پر پاکستان میں موجودہ سماج کا پراثر خاکہ واضح ہوتا ہے اور پاکستانی قارئین پر بھی ان کے ملک کا اور اس میں رہنے والوں کا سماجی تعارف گھل جاتا ہے۔ الغرض In Other Rooms, Other Wonders کہانیاں اس طرح ترتیب دی گئی ہیں کہ آخری صفحہ پڑھ لینے کے بعد بھی قاری پر ان کا اثر بہت دیر تک باقی رہتا ہے۔ ■

ٹم بگنسکی ریاستہائے متحدہ امریکہ کے اسلام آباد سفارتخانے میں فوٹو صلیٹ آفیسر ہیں



“You get to try everything under the sun here!”

PAKISTANI STUDENT finds americans warm, tolerant

Pakistani exchange student Bela Khan finds Americans “warm and welcoming,” and says they have “a high threshold of tolerance and respect for diversity.” That respect is reflected in their food, she says.

“From Mexican, Spanish, Italian” food to “Chinese and Thai,” Americans value culinary diversity. “You get to try everything under the sun here!” she exclaims.

In spite of the gastronomic variety, however, Khan's favorite dish is an American classic: chicken pot pie, a dish made by baking chicken and potatoes in a pastry shell.

While she enjoyed her visit to New York's Times Square, pictured above, Bela Khan advises travelers to the United States to “take time to visit the local areas” rather than just the main attractions. Each place is different, she says, and tourists should “make it a point to travel across the country.”

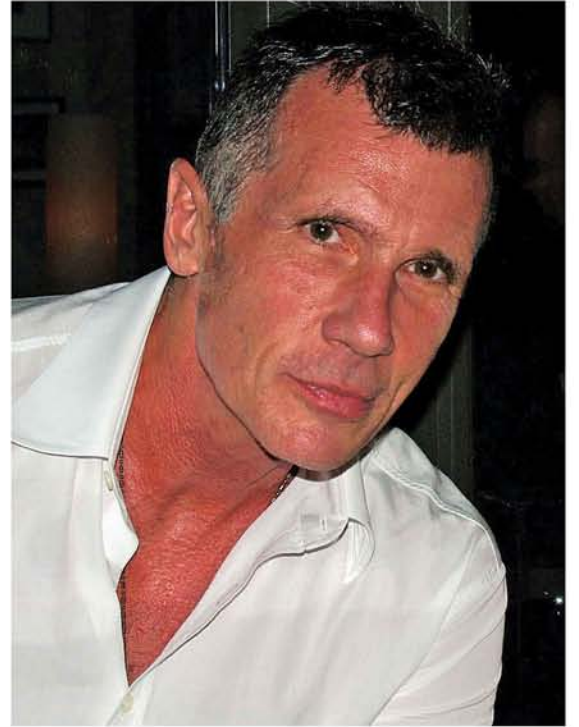
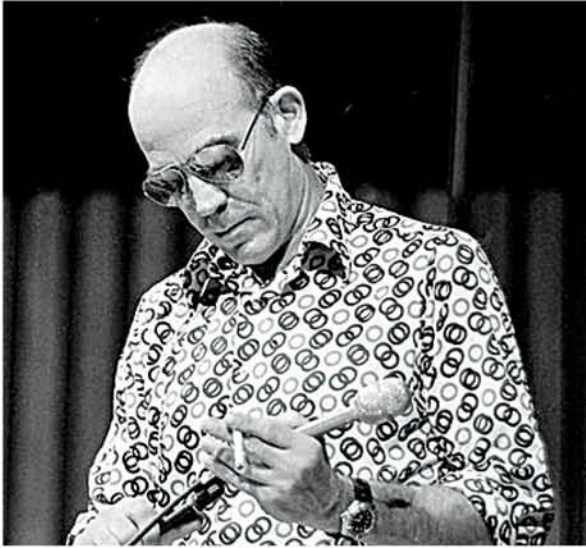
Khan attends American University in Washington as part of the Global Undergraduate Exchange Program in Pakistan. The program is funded by the U.S. Department of State and implemented by IREX, a nonprofit organization originally known as the International Research and Exchanges Board. ■

پاکستانی طلباء امریکن طلباء کو پر جوش اور بردبار سمجھتے ہیں

پاکستانی متبادل طالب علم بیلا خان محسوس کرتے ہیں کہ امریکن پر جوش اور متحمل مزاج ہیں اور کہتا ہے کہ ان کے اندر برداشت کا بہت بڑا مادہ موجود ہے اور یہ عزت ان کے کھانے پینے اور دیگر خوراک سے ظاہر ہوتی ہے۔ وہ کہتی ہے کھانے جن میں میکسی کین سکینش، اٹالین، چائینز اور تھائی شامل ہے۔ امریکن ایسے لوگوں کی بہت قدر کرتے ہیں جو اپنے قول و فعل کی خلاف ورزی نہیں کرتے ہیں اس نے کہا کہ دن کی روشنی میں جو کچھ آپ چاہیں حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ گیسٹر واکل قسم کی ورائٹی دستیاب ہے۔ جبکہ اسکے برعکس خان کی پسندیدہ ڈش ایک امریکن کلاسک ہے جس میں مرغ کا گوشت اس کے علاوہ ایک دوسری ڈش جو کہ بیکری کی طرز پر چکن سے بنائی گئی ہو اور اس کے علاوہ بیڑی کے اندر نماز کو ملانا۔ اس طرح اس لڑکی نے نیویارک ٹائمز سکور کے دورہ میں بہت لطف اٹھایا اور اس کی تصویریں بھی بنائیں۔ بیلا خان تمام سفر کرنے والوں کو یہ نصیحت کرتا ہے جو کہ امریکہ میں سیر و تفریح کی غرض سے آتے ہیں۔ لہذا لوکل ایریا میں سیر و تفریح کے لئے وقت لیا جائے کیونکہ یہ بہت ہی قابل توجہ معاملہ ہے۔ اسکے علاوہ ہر ایک جگہ دوسری سے مختلف ہے۔

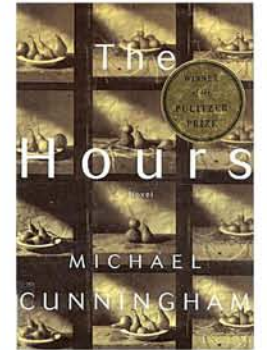
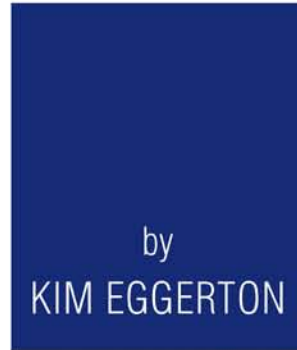
لہذا جو بھی سیاح وہاں پر جاتے ہیں انہیں اپنے سفر کا آغاز اسی پوائنٹ سے کرنا چاہئے۔ خان نے امریکن یونیورسٹی واشنگٹن کا دورہ بھی کیا۔ جو کہ گوبل انڈرگریجویٹ ایکسچینج پروگرام کا ایک حصہ ہے اور اس پروگرام کے تمام اخراجات امریکن گورنمنٹ برداشت کرتی ہے جبکہ اس پر عمل درآمد کیا جاتا ہے جو کہ ایک نان گورنمنٹ آرگنائزیشن کا ادارہ ہے جسے حقیقت میں انٹرنیشنل ریسرچ اور ایکسچینج بورڈ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ■

Read more: <http://iipdigital.usembassy.gov/st/english/inbrief/2013/04/20130422146218.html#ixzz2T9k61GwF>



Writers Come Alive in Cinema

سینما مصنفوں
کو زندہ رکھتا ہے



One of the best ways to get into the mind of an author is by reading his or her books.

Sometimes, the stories that other people tell about those same authors can be just as revealing. This is probably why so many movies about writers have become commercial and critical successes. The five films below are some of the best recent releases that take the author from the book jacket to the big screen, allowing viewers not only to learn about how the writers viewed the world but how they influenced it.

THE HOURS

The Hours (2002) is a film adaptation of a novel about the famous writer Virginia Woolf. The book, by Michael Cunningham, intertwines the lives of three women: Virginia, while she is writing her novel Mrs. Dalloway; Laura, while she is reading Mrs. Dalloway; and Clarissa, whose life is mirroring that of the Mrs. Dalloway character. The movie jumps between three settings - from Virginia

مصنفین کے خیالات جاننے کے لئے بہترین ذریعہ ان کی تصانیف کا مطالعہ ہے۔

بعض اوقات جب دیگر لوگ ان کے بارے میں کوئی کہانی بیان کرتے ہیں تو یہ ان کے متعلق ایک انکشاف ہوتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ مصنفوں سے شناسائی کے معاملے میں فلمیں بہت کامیاب رہی ہیں۔ درج ذیل پانچ فلمیں حال ہی میں ریلیز ہونے والی بہترین فلموں میں سے ہیں جنہیں مصنفین نے کتابوں سے لے کر پردہ کی زینت بنادیا۔ اس سے ناظرین کو نہ صرف یہ جاننے کا موقع ملا کہ مصنف دنیا کی عکاسی کیسے کرتے ہیں بلکہ یہ بھی کہ وہ دنیا پر کس طرح اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

دی آؤرز

2002 میں بنائی گئی یہ فلم ایک معروف مصنف ورجینیا وولف کے بارے میں ایک ناول پر مبنی ہے۔ مائیکل کنگھم کی لکھی گئی اس کتاب میں تین خواتین کی زندگیوں کو بہترین انداز میں اجاگر کیا گیا ہے۔ کہانی میں ورجینیا اپنا ناول "مسز ڈالووے" لکھتی ہیں، لاورا اس ناول کو پڑھتی ہیں جبکہ کلاریسا کتاب میں مسز ڈالووے کا کردار ادا کرتی ہیں۔ فلم میں تین سیننگ ہیں جس میں ورجینیا، انگلینڈ 1923ء سے لے کر لورا اس ایجنس تک 1951ء میں اور

in 1923 in England, to Laura in 1951 in Los Angeles, to Clarissa in present-day New York City. Nicole Kidman, nearly unrecognizable in make-up, won the Best Actress Academy Award for her portrayal of Woolf, whose works have been recognized for their feminist themes, such as the difficulties women face in being recognized as intellectuals. After her own battles with such frustration and depression, Woolf drowned herself at the age of 59.

CAPOTE

Capote (2005) also follows a famous writer as he writes one of his famous works, but this time the writer is Truman Capote and the book is the non-fiction work *In Cold Blood*. The film shows Capote, already somewhat known by his articles in *The New Yorker* and the novella *Breakfast at Tiffany's*, traveling with fellow writer Harper Lee (who has just written *To Kill a Mockingbird*) to investigate the murder of a family in 1959 in Holcomb, Kansas. The movie raises questions about Capote's methodology, particularly for a book subtitled "a true account." Capote - played by Philip Seymour Hoffman, who won a Best Actor Academy Award for the role - refused to take notes or make recordings when he interviewed suspects Perry Smith and Dick Hickock, and he even hired a new lawyer to defend them. In the end, the pair were convicted and executed for the murders, and it is still debated whether Capote actually attempted to reveal the truth or simply used the case as a way to feed his addiction to notoriety.

FEAR AND LOATHING IN LAS VEGAS

Fear and Loathing in Las Vegas (1998) is another film version of a book, but this time it is adapted from the work of the writer himself, Hunter S. Thompson. Like the book, the movie follows Thompson - in the form of character "Raoul Duke," played by Johnny Depp - as he and his Samoan lawyer friend take a road trip across the country in order to cover a motorcycle race in Las Vegas for a magazine. But the pair also use the trip as an opportunity to search for the "American Dream" - and experiment with heavy doses of drugs and alcohol. Their crazy encounters with all walks of life, from hitchhikers to police officers, go right along with what came to be known as "gonzo journalism." Gonzo Journalism is a type of reporting that is completely subjective, with the writer blatantly inserting himself into the action to see what kind of reaction results. In a previous book, *Hell's Angels*, Thompson described his year living with a motorcycle gang in 1965, and he received acclaim for using many of the same methods that Capote was criticized for. The acceptance of Thompson's new brand of non-fiction writing inspired the New Journalism movement.

ADAPTATION

Adaptation (2002) would seem from its title to be yet another adaptation of a book. And it is somewhat of a retelling of *The Orchid Thief*, Susan Orlean's non-fiction account of an orchid-poaching ring in Florida. But in the movie, Orlean has a "gonzo"-like experience: doing drugs and having an affair with her book's main character, John Laroche - something that never happened in real life. The lies are incorporated into the story by screenwriter Charlie Kaufman, a character played by Nicholas Cage - and the actual writer of the movie script. Charlie resists suggestions from

کار یا سہ موجودہ دور کے نیو یارک تک۔ نکول کڈمین، جنہیں میک اپ میں پہچانا تقریباً ناممکن ہے انہوں نے وولف کا کردار ادا کرنے پر بہترین اداکارہ کا ایوارڈ حاصل کیا۔ وولف کی کتابیں خواتین کے کردار کا اجاگر کرنے کی تعمیر کی بنیاد پر ہر لحیزہ ہیں، جیسا کہ خواتین کو دنیا میں خود کو بطور دانشور منوانے میں بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ خواتین کے ان مسائل اور پریشانیوں کو ختم کرنے کی جدوجہد کرتے کرتے وولف 59 برس کی عمر میں دنیا سے چلی گئیں۔

کیپوٹ

2005ء میں بننے والی یہ فلم ایک مشہور مصنف کے بارے میں ہے جبکہ وہ اپنی مشہور تصنیف رقم کر رہے ہیں۔ کتاب کے مصنف ٹرومین کیپوٹ ہیں۔ یہ کتاب بے رحمانہ قتل کے بارے میں حقیقت پسندانہ انداز میں تحریر ہے۔ فلم کی کہانی کا آغاز اس طرح سے ہوتا ہے کہ کیپوٹ جنہیں "دی نیو یارکر" میں اپنی کالم نگاری اور ناول *Breakfast at Tiffany's* کی وجہ سے شہرت حاصل ہے (اپنے ساتھی مصنف جو کہ *To Kill a Mockingbird* (کے لکھاری ہیں) کے ہمراہ 1959ء میں ایک خاندان کے قتل کی تحقیقات کیلئے ہول کامب کینساس کا سفر کرتے ہیں۔ یہ فلم بالخصوص "a true account" کے زیر عنوان کیپوٹ کے طریقہ کار کا نقیشت پر سوالات اٹھاتی ہے۔ کیپوٹ میں اداکار فلپ سیمر ہیں جنہوں نے مشہور افراد جیری سمیر اور ڈک ہائی کا کاک کے انٹرویوز کے نوٹس لینے اور ریکارڈنگ کرنے سے انکار کرنے کے کردار پر بہترین اداکاری کا اکاڈمک ایوارڈ حاصل کیا تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے ان کے دفاع کیلئے نیا وکیل بھی مقرر کیا تھا۔ کہانی میں بالآخر دونوں مشہور افراد کو فرد جرم عائد ہونے کے بعد موت کی سزا دی جاتی ہے۔ یہ بات ابھی تک زیر بحث ہے کہ کیپوٹ نے سچ سے پردہ اٹھانے کیلئے کوشش کی تھی یا نہیں۔

Fear and Loathing in Las Vegas

1998ء میں تیار کی گئی یہ فلم بھی کتاب ہی کی عکاسی ہے اور مصنف ہنٹر اس تھامپسن کا اصل خیال ہی اس کا موضوع ہے۔ کتاب کی طرح فلم میں بھی تھامپسن کو "Raoul Duke" کے کردار کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور اس کردار کو Johnny Depp نے نبھایا۔ جونی اور ان کے وکیل دوست ایک میگزین کیلئے Las Vegas میں موٹر سائیکل ریس کو کور کرنے کیلئے پورے ملک کا سفر کرتے ہیں لیکن یہ دونوں دوست یہ سفر اس خواب کی تعبیر کے طور پر بھی کرتے ہیں کہ وہ نشہ آور ادویات اور شراب کی زیادہ مقدار استعمال کرنے کا تجربہ کر سکیں۔ لہذا وہ تمام طبعی حیات سے متعلق افراد اور پولیس افسران سے ملاقاتیں کرتے ہیں۔ صحافت کے اس نوعیت کے کام کو Gonzo Journalism کہا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی نوعیت کی رپورٹنگ ہوتی ہے جو کہ مضمون کی شکل میں ہوتی ہے اور جس میں ایک صحافی بذات خود نتائج اخذ کرنے کیلئے خود کو مکمل طور پر ایک ایکشن میں ڈالتا ہے۔ تھامپسن اس سے پہلی والی کتاب *Hell's Angels* میں 1965ء میں ایک موٹر سائیکل گینگ کے ساتھ گزارے گئے اپنے ایک سال کے تجربے کو بیان کرتے ہیں۔ ایک ہی طرح کے طریقہ ہائے کار اختیار کرنے پر انہیں ہدف تنقید بھی بننا پڑا۔ تھامپسن کی نئی کتاب کو غیر افسانوی ہونے کے ناطے بہت پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔

Adaptation

جیسا کہ اس کے عنوان سے ہی ظاہر ہے کہ یہ ایک کتاب کی ڈرامائی تشکیل ہے۔ یہ کسی حد تک Susan Orlean's کتاب *Orchid Thief* کی کہانی سے ملتی جلتی ہے۔ اورین "Gonzo" جیسا تجربہ کرتے ہوئے نشیب کا استعمال کرتے ہیں اور کتاب کی مرکزی کردار John Laroche نامی خاتون سے معاشرہ چلاتے ہیں۔ یہ ایسی چیز ہے جو انکی حقیقی زندگی میں نہیں تھی۔ کہانی میں مبالغہ آرائی سکرین رائٹر چارلی کف مینے والی جس کا کردار نکولس کیج نے ادا کیا جو فلم کے اصل سکرپٹ رائٹر بھی ہیں چارلے اپنے جڑواں بھائی ڈونالڈ کے مشوروں کو سختی سے ٹھکراتا ہے۔ یہ کردار بھی نکولس کیج نے ہی ادا کیا۔ تاہم انکی حقیقی زندگی میں کوئی جڑواں بھائی نہیں تھا۔ اس طرح فلم سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مصنف اپنے پرستاروں کی خواہشات پر پورا اترنے کیلئے کتنی جدوجہد کرتی



Capote © AP

his twin brother, Donald (also played by Nicholas Cage but who doesn't exist in real life), to add drama to the screenplay in order to create a big box-office hit. In this way, the movie reveals the writer's struggle to stay true to his material or cater to the desires of an audience. Unlike the theme of the movie, Orlean is known for going to great lengths to accurately and fairly portray her subjects. Yet ironically, it was the real Charlie Kaufman and the fictional Donald Kaufman who were honored for their writing, with a nomination for the Best Adapted Screenplay Academy Award.

FINDING FORRESTER

Finding Forrester (2000) is, in some ways, the most realistic portrayal of a writer's life, even though it is entirely fictional. The title refers to William Forrester, a famous but reclusive writer who becomes friends with a struggling young man who is completely unaware of Forrester's true identity. Teenager Jamal Wallace is having trouble finding his place in the fancy Manhattan prep school where he is sent more because of his basketball skills than his high test scores. Forrester eventually reveals his profession to Jamal, inspiring him to pursue a career as an author despite the many people telling him he can't or shouldn't write. The character of Forrester is similar to real-life author J.D. Salinger, who shunned publicity for most of his career and hid from public view for the final decades of his life. Salinger spread his message to teenagers through his books. In his most recognized work, A Catcher in the Rye, another prep-school student, Holden Caulfield, has trouble coping with the death of his older brother, and when he is unable to find an outlet, has a mental breakdown. Luckily, Salinger, who also had trouble fitting in at private school and in public life, turned to writing, like Jamal. ■

Kim Eggerton is an English Language Instructor at U.S. Embassy Islamabad

ہیں۔ فلم کی تھیم کے برعکس Orlean اپنے مضمون، خیالات اور کردار کو پردہ سکرین پر عکس بند کرنے کی ماہر سمجھی جاتی ہے۔ درحقیقت یہ چارلی کف مین اور افسانہ نگار ڈونا لڈ کف مین تھے جنہیں انکی رائٹنگ کی وجہ سے اعلیٰ سکرین پلے ایکڈمک ایوارڈ کا اعزاز ملا۔

Finding Forrester

2000ء میں تیار کی جانی والی یہ فلم افسانوی ہونے کے باوجود مصنف کی حقیقی زندگی کی تصویر پیش کرتی ہے۔ فلم کا نام ولیم فورسٹر سے منسوب ہے۔ وہ ایک مشہور لیکن تنہائی پسند مصنف تھے جو ایک جفاکش نوجوان کے دوست بنتے ہیں جو فورسٹر کی اصل شناخت کے بارے میں آگاہ نہیں ہوتا۔ نوجوان لڑکے Jamal Wallace کو Manhattan Prep School میں داخلہ لینے میں دشواری پیش آتی ہے۔ کیونکہ وہاں اس لئے بھیجا گیا تھا کہ وہ باسکٹ بال کا ماہر کھلاڑی ہے نہ کہ اس لئے کہ وہ کوئی اچھا طالب علم ہے۔ بالآخر فورسٹر ہمال کو اپنے پیشے سے آگاہ کرتا ہے اور اسے مصنف بننے کی ترغیب دیتا ہے اس کے باوجود کہ لوگ اسکے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ وہ لکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا لہذا اسے یہ پیشہ اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ فارسیٹر مصنف J. D. Salinger کی حقیقی زندگی سے مماثلت رکھتی ہے جو اپنی زندگی کے بیشتر حصے میں شہرت حاصل کرنے سے دور رہے اور زندگی کی آخری دہائیوں تک لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہے۔

Salinger نے کتابوں کے ذریعے اپنا پیغام نوجوانوں تک پہنچایا۔ اسکے ایک معروف کام A Catcher in the Rye میں بھی ایک سکول طالب علم Holden Caulfield کو اسکے بڑے بھائی کے انتقال کی وجہ سے مسئلے کا شکار ہو گیا۔ پریشانی کی وجہ سے وہ ذہنی طور پر مفلوج ہو کر رہ گیا۔ خوش نصیبی سے Salinger جنہیں خود بھی ایک نجی سکول اور پبلک لائف میں ایڈجسٹ ہونے میں مسائل کے شکار رہے نے جیل کی زندگی کی طرز پر لکھنا شروع کیا۔ ■

کم ایجڑن اسلام آباد میں قائم امریکی سفارتخانے میں انگلش لینگویج کے انسٹرکٹر ہیں۔

writers' WORKSHOPS

لکھاریوں کے لئے ورکشاپس

Are you a budding writer looking for training to improve your writing? We have put together a list of resources for those who want to write, but could use some constructive critiques to tighten up their prose.

Online Workshops

The easiest and most obvious choice for writers looking for instruction is an online course. Obviously, this option requires neither travel nor any of the associated costs. A simple search online reveals a multitude of options-ranging from free sites where community members critique one another's work (www.critiquecircle.com; www.scribophile.com) to websites that require fees to participate in classes (Gotham Writers' Workshop-www.writingclasses.com; www.writersonlineworkshops.com). While the workshops that charge a fee aren't cheap (\$300-500), they are less costly than taking a weekend course in the United States or enrolling in a collegiate program directed at crafting prose. In addition, many online workshops are well regarded. According to one writer we spoke with, many of online workshops are worthwhile, and suggested the Gotham Writers' Workshop as an excellent option.

Weekend and Summer Workshops

If you prefer one on one interaction to the computer screen, but aren't prepared to enroll in a multiple year degree program, there is a middle ground. Many organizations and universities offer weekend or weeklong workshops for writers. Gotham Writers' Workshop, mentioned in the online suggestions, offers weekly courses in New York. Another organization, the Writers' Studio (<http://www.writerstudio.com>), founded by Pulitzer Prize winner Philip Schultz, provides workshops throughout the United States. Some colleges and universities also offer weekend and weeklong courses in the summer, when their campuses are closed. For example, the University of Iowa, in cooperation with the acclaimed Iowa Writers' Workshop, offers the Iowa Summer Writing Festival, with a number of workshops in a variety of genres (<http://www.continuetolearn.uiowa.edu/iswfest>). The courses are taught by a variety of novelists, poets, and critics. ■

Additional Resources

<http://newpages.com/>
<http://www.pw.org/>

کیا آپ ایک ابھرتے ہوئے مصنف ہیں اور اپنی تحریر میں نکھار پیدا کرنے کیلئے تربیت حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ ہم نے لکھنے کا شوق رکھنے والے لوگوں کیلئے وسائل کی ایک فہرست تیار کی ہے۔ ان لوگوں کو نثر نگاری میں بہتری لانے کیلئے کچھ تعمیری تنقید کی ضرورت ہے۔

آن لائن ورکشاپ

لکھنے کے شوقین افراد کی ہدایت کیلئے آن لائن کورس ایک آسان اور بہترین ذریعہ ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس آپشن کیلئے نہ سفر کرنے کی ضرورت اور نہ ہی سرمائے کی۔ کمپیوٹر پر آسانی سے سرچ کرنے سے ایک دوسرے کے کام پر تنقید سمیت کئی آپشنز سامنے آئیں گے۔ کمپیوٹر پر (www.critiquecircle.com;) www.scribophile.com جیسی ویب سائٹس بھی موجود ہیں جبکہ آن لائن کلاس میں داخلہ دینے کیلئے فیس وصول کرنے والی ویب سائٹس بھی ہیں جیسا کہ 'Gotham Writers' (www.writingclasses.com;) (www.writersonlineworkshops.com) جیسی سائٹس۔ تاہم فیس وصول کرنے والی ورکشاپ کیلئے 300 سے 500 ڈالر وصول کئے جاتے ہیں جو کہ چھوٹی رقم نہیں ہے۔ لیکن یہ ورکشاپ امریکہ میں اختتام ہفتہ کورس اور کرافٹنگ پروز کی کلاس لینے کے لئے کافی سستی ہیں۔ کئی آن لائن ورکشاپس کو کافی پذیرائی ملی ہے۔ ایک مصنف کے بقول اگرچہ کئی ورکشاپس قابل قدر ہیں لیکن ہم گوٹھم رائٹرز ورکشاپ کو بہترین آپشن کے طور پر تجویز کرتے ہیں۔

اختتام ہفتہ اور گرمیوں کی تعطیلات کی ورکشاپ

اگر آپ کمپیوٹر سکرین کے ساتھ ہی وابستگی رکھنا چاہتے ہیں اور ایک سے زائد سالوں پر محیط ڈگری پروگرام میں داخلے کیلئے تیار نہیں ہیں تو آپ کیلئے ایک درمیانی راستہ بھی ہے۔ کئی یونیورسٹیاں اور دیگر ادارے مصنفین کے لئے اختتام ہفتہ پر تربیتی پروگرام تشکیل دیتے ہیں۔ آن لائن آپشنز میں تجویز کردہ گوٹھم رائٹرز ورکشاپ نیویارک میں ایسے کورسز کرواتی ہے۔ ایک اور ادارہ The Writers Studio (<http://www.writerstudio.com>)، جس کی بنیاد Pulitzer انعام یافتہ Philip Schultz نے رکھی ہے۔ یہ ادارہ امریکہ بھر میں ورکشاپس کرواتا ہے۔

بعض کالج اور یونیورسٹیاں گرمیوں کی تعطیلات میں جب کہ ان کے کیمپس بند رہتے ہیں ہفتے کے آخر پر اور ایک ایک ہفتہ طویل کورسز کا بندوبست کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر <http://www.continuetolearn.uiowa.edu/iswfest> (Lowa یونیورسٹی سے لوو ارائٹنگ فیسٹول میں کئی ورکشاپس کا اہتمام کرتی ہے۔ ان کورسز میں کئی ناول نگار، شاعر اور نقاد پڑھانے کی خدمات انجام دیتے ہیں۔ ■



Kananha Falls

almost heaven, WEST VIRGINIA

BY KELLY KOPCIAL

جنت نظیر مغربی ورجینیا

کیلی کوپکیل



Tygart River Lake And Dam



West Virginia State Capitol, Charleston

Many people, including plenty of Americans, know West Virginia only from the famous John Denver song, Take Me Home, Country Roads, which includes a line that West Virginia is "Almost Heaven." Growing up in Charleston, I often heard people mistake my hometown for the other Charleston-- located in South Carolina. While it may not be well-known, my home state offers visitors a glimpse into a rich history. For those of us who grew up there, West Virginia is indeed "Almost Heaven."

ORIGINS

West Virginia became a state on June 20, 1863 during the American Civil War. The new state was established from 55 western counties of the state of Virginia. In 1861, Virginia had joined the Confederate States, which had left the United States over the issue of slavery. The western counties did not wish to leave the Union and voted to break away from the Confederate portion of the state. West Virginia was a border state during the Civil War, as citizens fought for both the North and South.

NATURAL BEAUTY AND TOURISM

As the only state completely within the Appalachian Mountain range, West Virginia's geology and topography set it apart from the

امریکیوں سمیت بہت سے لوگ مغربی ورجینیا کو جان ڈینور کے گانے take me home , country roads کے حوالے سے جانتے ہیں جس کے ایک جملے میں اسے جنت نظیر Almost Heaven کہا گیا ہے۔ یہاں پرورش پاتے ہوئے میں نے محسوس کیا ہے کہ بہت سے لوگ میرے آبائی شہر چارلسٹن کو ساؤتھ کیرولینا کے علاقے چارلسٹن کو گنڈمڈ کرنے کی غلطی کر دیتے ہیں۔

چاہے ہمارا علاقہ زیادہ مشہور نہ سہی مگر دیکھنے والوں کے لئے مغربی ورجینیا کی ایک جھلک خوبصورت ماضی میں جھانکنے سے کم نہیں ہے۔ ہم لوگ جو یہاں کے رہا ہیں۔ ہمارے لئے مغربی ورجینیا ہماری جنت ہی ہے۔

تاریخی تعارف

امریکی خانہ جنگی کے دوران 20 جون 1863ء کو مغربی ورجینیا ایک ریاست کی شکل میں وجود میں آئی۔ نئی ریاست کا قیام مغرب میں واقع 55 کاؤنٹیز کے باہم ملنے سے عمل میں آیا۔ 1861ء میں ہی مغربی ورجینیا وفاقی ریاستوں میں شامل ہو چکی تھی جو ریاست ہائے متحدہ کو برطانوی غلامی میں ہونے کی وجہ سے چھوڑ چکی تھیں۔ مگر مغربی کاؤنٹیز ریاست ہائے متحدہ سے علیحدگی پر خوش نہیں تھیں لہذا انہوں نے ریاست علیحدگی کے حوالے سے اپنا حق رائے دہی استعمال کیا۔

چونکہ مغربی ورجینیا خانہ جنگی کے دوران سرحدی علاقے پر واقع تھا لہذا یہاں کے باشندوں نے شمال اور جنوب، دونوں کی طرف سے جنگ میں حصہ لیا۔



states surrounding it. The highest point, Spruce Knob, rises 1,482 meters above sea level. Several unusual ecosystems can be found within the borders of the state, including Cranberry Glades—a 750-acre bog area that is home to plants normally seen in much more northerly climates.

There are many warm springs that draw tourists from around the world to “take the waters.”

Berkeley Springs is known as America's first spa town. It dates back to 1776 when George Washington's family established the town as Bath, in honor of the famous English spa town. White Sulphur Springs in Greenbrier County is home to a number of sulfur-water springs renowned for their curative properties.

The natural beauty of the state is also a huge tourism draw. The summer months offer opportunities for hiking, mountain biking, and some of the best white water rafting in the East. During the autumn, visitors come to see the striking fall foliage that colors the mountains shades of gold and orange. Skiing, snowboarding, and other winter sports are available at a host of mountain resorts during the winters.

BUSINESS AND INDUSTRY

Coal mining is at the heart of West Virginian history. The iron works in Wheeling, WV and Pittsburgh, Pennsylvania were dependent on coal from the West Virginia hills. Coal was an essential element for the westward expansion of the railroad in America's early history. Beginning in the 1880s, commercial mines started to open across the state. Dangerous work conditions, poor wages, and long hours were the catalysts for organized labor among miners. The United Mine Workers of America (UMWA) fought for decades in several coal mining states, including West Virginia, for improved safety regulations and treatment of miners. The famous union organizer, Mary Harris “Mother” Jones, and long time UMWA leader, John Lewis, both spent time in West Virginia.

Today, coal mining continues to be one of the main industries in the state. Traditional mining techniques have given way to technology and automation. Underground mining has been replaced in many places by mountain top removal mining, which is less labor intensive and often safer than underground mining. While coal is still an important resource in West Virginia, these new mining techniques, and their environmental impact, have been controversial. The chemical industry also played a key role in the growth of West Virginia. Chemical manufacturers began to set up plants in the early 20th century. The town of Nitro was so named because of the explosives manufacturing plant established there prior to World War I. Companies such as DuPont, Monsanto, and Union Carbide built facilities in the Kanawha Valley in the run up to World War II. The synthetic rubber produced by these companies played an important role in the war effort.

Heavy industry is not the only source of business in West Virginia. The Art Deco-style Fiestaware is among the most recognizable products of West Virginia. The brightly colored plates and pitchers were a mainstay of early 20th century design. Today, Fiestaware is still wildly popular. The glass industry also made its mark in the state. Blenko Glass, Fenton Glass, and Fostoria Glass all produced decorative glassware for the mass market in the early 20th century. Blenko also focused on stained glass, and windows produced by Blenko can be seen in the National Cathedral in Washington, D.C.

FOLKLORE, CULTURE, AND THE ARTS

Several well-known folk heroes and legends are connected to West Virginia. John Henry, the “steel-drivin’ man,” defeated a steam

قدرتی حسن اور سیاحت

مغربی ورجینیا وہ واحد ریاست ہے جو مکمل طور پر Appalachian پہاڑی سلسلے میں گھری ہوئی ہے اس کی سرزمین اور اس کا قدرتی حسن اسے باقی تمام ریاستوں سے منفرد ممتاز بنا دیتا ہے۔ سپرو ناپ کا علاقہ سطح سمندر سے ایک ہزار چار سو سیاسی میٹر بلند ہونے کی وجہ سے سب سے اونچا مقام ہے۔ مغربی ورجینیا کا خطا اپنے اندر بہت سے مختلف رنگوں کے حامل ماحولیاتی نظام رکھتا ہے۔ 1750 کیز پر مشتمل پھولوں کا حسین میدان “کرسٹری گلیڈس” میں واقع ہے جو شمال کی آب و ہوا میں کھلنے والے پھولوں کا گھر ہے۔

یہاں موجود گرم چشمے دنیا بھر کے سیاحوں کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ “برکیکے پیکس” سرزمین امریکہ پر آباد کردہ پہلا شکاری علاقہ ہے جسے چارج واشنگٹن کے خاندان نے 1776ء میں برطانوی شاہی علاقے کی یاد میں ہاتھ نام کے ایک قصبے کی صورت میں آباد کیا تھا۔ یہاں واقع گرین ریزر کاؤنٹی کونسلر کے پانیوں والے چشموں کا گھر کہا جاتا ہے اور بہت سے چشموں کا پانی شفا بخش ہونے کی شہرت رکھتا ہے۔

ریاست کا قدرتی حسن سیاحت کی بہت بڑی وجہ ہے۔ گرمیوں کے مہینے سیاحت کی جنت کے ہیں جب یہاں پر واقع مشرقی علاقے میں ماؤنٹین بائیکنگ اور واٹر رائفنگ کے دلدادہ لوگوں کی بھیڑ ہوتی ہے۔ خزاں کے موسم میں جب پتے جھڑنے لگتے ہیں تو پہاڑوں پر نارنجی اور سرسبز رنگ بکھر جاتے ہیں۔ اس قابل دید نظارے کے لئے بھی لوگ بہت بڑی تعداد میں کھینچے چلے آتے ہیں۔ یہاں پر اترنے والا موسم سرما سکلنگ، سنو بورڈنگ اور دیگر کھیلوں کی میزبانی کرتا ہے۔

صنعت و تجارت

مغربی ورجینیا کی تاریخ میں کونکے کی کانوں کو اہم ترین مقام حاصل ہے۔ فولاد کے شعبے میں پیہر سازی کی صنعتیں جو کہ Pittsburgh اور پنسلوانیا میں لگائی گئی تھیں ان کا دارومدار مغربی ورجینیا سے درآمد شدہ کونکے پر تھا۔ امریکہ کی ابتدائی تاریخ میں ریلوے میں جو توسیع مغرب کی طرف ہوئی اُس کے لیے کونکے کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ 1880ء کے آغاز کے ساتھ ہی ریاست کے طول و عرض میں تجارتی بنیادوں پر کان کنی کا آغاز ہو چکا تھا۔ کام کی پرخطر نوعیت، کم اجرت اور کام کرنے کا طویل دورانیہ، کانوں کے مزدوروں کی بہت رکاوٹ تھا۔ یونائٹڈ مائن ورکرز آف امریکہ (UNWA) نے کئی دہائیوں تک کونکے کے ذخائر کی حامل ریاستوں بشمول مغربی ورجینیا کی کان کنوں کے تحفظ اور بہتری کے لیے جدوجہد کی۔

یونین کے اہم عہدیداروں “میری ہیلس” “مدر جوز” اور طویل عرصے تک UNWA کے رہنما “جان لیوس” نے لمبا عرصہ مغربی ورجینیا میں گزارا۔ آج بھی کونکے کی کان مغربی ورجینیا کی اہم صنعتوں میں سے ایک ہے۔ روایتی طریقہ کان کنی کی بجائے اب جدید ٹیکنالوجی اور خود کار مشین کان کنی کے لئے مصروف عمل ہیں۔

زیر زمین کان کنی کی بجائے اب کافی مقامات پر براہ راست پہاڑوں سے کونکے کا لے کر کام شروع ہو چکا ہے جسے نہ صرف کم لاگت اور کم افرادی قوت درکار ہوتی ہے بلکہ یہ زیر زمین کان کنی سے محفوظ تر بھی ہے۔ ہر چند کونکے اب بھی ریاست مغربی ورجینیا کی آمدن میں اہم ذریعہ ہے مگر جدید ذریعہ کان کنی اور ماحول پر پڑنے والے اس کے اثرات تا حال متنازعہ حیثیت رکھتے ہیں۔

مغربی ورجینیا کی معاشی ترقی میں کیسیائی صنعت بھی کلیدی اہمیت کی حامل ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز ہی سے کیسیائی صنعت کاروں نے اپنے پلائس کی تنصیب شروع کر دی تھی۔

جنگ عظیم اول سے پہلے قائم شدہ دھماکہ خیز مواد بنانے والا پلانٹ ہی قصبے یونین کارنائیڈ نامی کمپنیاں وادی کا ناوا میں قائم کی گئیں تھیں۔ دوران جنگ یہاں پر تیار ہونے والا synthetic بہت زیادہ کارآمد ثابت ہوا۔

بھاری صنعتیں ہی مغربی ورجینیا کا ذریعہ آمدن نہیں بلکہ کھانے کے برتنوں کی دلکش مصنوعات بھی یہیں تیار ہوتی ہیں اور انہیں دنیا بھر میں سراہا جاتا ہے۔ چمکتے ہوئے رنگوں والی پلیٹیں اور خوبصورت گھڑے بیسویں صدی کے خوبصورت نمونہ ظروف ہیں۔ آج بھی مغربی ورجینیا میں تیار ہونے والے ظروف عالمگیر شہرت کے حامل ہیں۔



Winfield Lock



Woman Gathering Coal

drill in a race to build a railroad tunnel through the mountains of West Virginia. While the truth of the legend has never been proven, John Henry's ballad is still sung to this day. Another well known state story is that of the West Virginia-based Hatfields and the Kentucky-based McCoys. The families' decades-long, cross-border feud led to dozens of deaths. While the origins of the violence were based on Civil War rivalries, a dispute over a hog reignited the feud years later. A recent mini-series on American television is a testament to continued curiosity in the story.

Much of the culture in West Virginia was influenced by Scots-Irish and English immigrants. These pioneers established a rich cultural history including music, arts and crafts, and dance that endures to this day. The Appalachian dulcimer, clogging, and unique quilt designs are all legacies of these early residents.

Appalachian music was a precursor to today's popular bluegrass and country. Mountain Stage, a radio program produced by West Virginia Public Radio, has featured hundreds of local musicians in addition to world famous acts such as R.E.M., Joan Baez, and Ralph Stanley. While the program showcases diverse musical genres, over the years it has been a launching point for numerous country and Appalachian music artists.

POINTS OF INTEREST

West Virginia has a wide range of interesting places and sites to explore:

- ♦ The gold domed capitol building in Charleston is a well known landmark and one of the tallest buildings in the state.
- ♦ The New River Gorge Bridge, which opened in 1977, was at one time was both the highest vehicular bridge and the longest single-span steel arch bridge in the world. While the bridge is only 267 meters above the New River, it is a popular BASE-jumping parachute jumping from a high location. For one day each year the bridge is closed to traffic and visitors may walk across the span.
- ♦ The Green Bank Telescope, the world's largest fully steerable radio telescope, is part of the National Radio Astronomy Observatory site in rural Green Bank, WV. The telescope is located inside a 13,000 square mile National Radio Quiet Zone, which helps block man-made signal interference.
- ♦ Railroad buffs flock to the Cass Scenic Railroad, a heritage railroad that harkens back to the age of steam locomotives and coal mining towns.
- ♦ The Greenbrier in White Sulphur Spring is a world class resort hotel. During World War II, the hotel served as an army hospital and internment location for German and Japanese diplomats. The Greenbrier was one of President

شیشے کی صنعت آج بھی اس ریاست کے لئے فخر کا باعث ہے۔

بلیکولگلاس، فیئن گلاس اور فوسٹوریا گلاس اور بھی دیگر خوبصورت اور مرصع شیشے کی مختلف اقسام نے بیسیوں صدی کی مشہور صنعتوں میں اپنا نام پیدا کر لیا تھا۔ ”بلیکول“ کے شفاف شیشے کو شیشے کی دیگر اقسام پر فوقیت حاصل ہے اور بلیکولک بناؤ گئی خوبصورت کھڑکیاں آج بھی واشنگٹن ڈی سی میں واقع نیشنل کیتھورڈ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

لوک داستانیں ، فنون لطیفہ اور ثقافت

بہت سے مشہور لوک داستانوں کے اہم کردار اور افسانوی ہیروز کا تعلق مغربی ورجینیا سے ہے۔ جان ہنری "The steel driven man" نے ایک مقابلے میں Steam drill کو شکست دے کر مغربی ورجینیا کے پہاڑوں میں سرنگ کھودی اور ریل کے لئے راستہ بنا کر دیا۔ ہر چند کہ اس کہانی کی حقیقت تاحال ثابت نہیں ہوئی ہے تاہم جان ہنری کے اس کارنامے پر مبنی گیت آج بھی لوگوں کی زبان پر ہیں۔

ایک اور داستان جسے بہت شہرت حاصل ہے وہ مغربی ورجینیا میں بسنے والے خاندان Hatfields اور Kentucky میں بسنے والے McCoys خاندان کی دہائیوں پر محیط لڑائی سے متعلق ہے جس میں درجنوں افراد اپنی جان گنوا بیٹھے تھے۔ سرحدی تنازعے کی بنیاد خانہ جنگی کے زمانہ کی دشمنی ہے۔ یہ لڑائی بعد ازاں سالوں تک جاری رہی۔ حال ہی میں امریکی ٹیلی ویژن پر چلنے والی اس موضوع پر ڈرامائی کہانی میں موجود تجسس بھی اسی امر کا اشارہ ہے کہ اس کہانی میں آگے کیا ہوا؟

مغربی ورجینیا میں ثقافتی نمونہ کش آئرش اور انگریز تارکیوں کی آباد کاری سے ہوا ہے۔ ان لوگوں نے خوبصورت ثقافت کی جو بنیاد رکھی تھی وہ آج تک چلی آ رہی ہے۔ موسیقی، رقص، فن اور دستکاری کے خوبصورت نمونے اسی وراثت کا حصہ ہیں۔

تاروں کا باجا اور تاج پہن کر رقص کرنا، خوبصورت نمونوں کی حاصل دستکاریوں کو تشکیل کرنا ان اولین رہائشیوں کی ہی میراث ہے۔

اپلاچی موسیقی آج بھی کانوں میں رس گھولتی ہے۔ مغربی ورجینیا پبلک ریڈیو کے زیر اہتمام چلنے والا موسیقی کا پروگرام Mountain Stage جس میں سینکڑوں لوک موسیقاروں نے اپنے فن کا جادو جگایا علاوہ ازیں معروف ڈرامے آر۔ای۔ ایم اور جان نیئر اور رالف اسٹیلے بھی اپنی مثال آپ ہیں۔

یہ پروگرام بہت سے موسیقاروں کو شہرت کی بنیاد فراہم کر چکا ہے اور سالہا سال تک مغربی ورجینیا کے لوک فنکاروں اور اپلاچی موسیقاروں کو گمنامی سے شہرت کی بلندیوں تک پہنچانے میں اہم ذریعہ رہا ہے۔

دلچسپ نکات

مغربی ورجینیا میں دلچسپی کے حامل کئی مقامات اور قابل دید نظارے موجود ہیں۔
سونے کے گیند والی کپٹن بلڈنگ جو کہ چارلسٹن میں ہے، بہت اہمیت کی حامل ہے اور اس کا شمار ریاست کی بلند ترین عمارتوں میں ہوتا ہے۔

New River Gorge پر بننے والا نیپائل جسے 1977ء میں ٹریفک کے لیے کھولا گیا ایک زمانے تک دنیا کا بلند ترین سٹیل سے بنا ہوا single span محرابی طرز کا پل تھا۔ یہ پل New River سے 267 میٹر اونچا

The state's slogans, "Wild and Wonderful" and "Almost Heaven" further capture our beliefs that the hills of West Virginia are the most beautiful on Earth.



Elakala Waterfalls



Cranberry-Glades

Eisenhower's favorite golf retreats and his love for the hotel was rumored to be one of the reasons a secret bunker was built under the hotel during the Cold War.

FAMOUS WEST VIRGINIANS

West Virginia has its share of famous personalities as well. Air Force hero and test pilot Charles "Chuck" Yeager grew up in the state. He went on to become the first person to break the sound barrier during his test flight of the Bell X-1 aircraft. Basketball great Jerry West was born in West Virginia and went on to attend West Virginia University (WVU) before his successful career with the Los Angeles Lakers, including a National Basketball Association championship. Education pioneer and founder of the Tuskegee Institute, Booker T. Washington spent his childhood and young adulthood in West Virginia before establishing an educational institute for African-American students in Alabama. Movie lovers will surely recognize West Virginia native Jennifer Garner-star of numerous Hollywood blockbusters and wife of Oscar-winner Ben Affleck.

WILD AND WONDERFUL

Early settlers in West Virginia needed to embody a rough and ready pioneer spirit given the challenges of mountain life. That spirit lives on today in one of the symbols of the state (and the WVU mascot), "the Mountaineer." The State motto, Montani semper liberi or "Mountaineers are always free" reflects the state's historic fight for liberty during the Civil War and the self-reliant nature of the state's people.

The state's slogans, "Wild and Wonderful" and "Almost Heaven" further capture our belief that the hills of West Virginia are the most beautiful on earth. We are proud of our heritage and history, and we cherish the well-kept secret that is our home state. ■

Kelly Kopcia is a Consular Officer at U.S. Consulate Karachi

ہے اور میں جمپنگ کے لئے ایک عمدہ ترین جگہ ہے۔ سال بھر میں ایک دن کے لئے یہ پل عام ٹریک کے لئے بند کر دیا جاتا ہے تو سیاح اس پل سے اور اس کے تقریباً 13 ہزار مربع کلومیٹر والے غیر آمدورفت کے علاقے میں نصب کیا گیا ہے۔ یہ سنگل میں موجود مختلف اقسام کی رکاوٹوں کو دور کرنے کا کام بھی سرانجام دیتا ہے۔ Cass Science Rail Road پر واقع Rail Road Buff Block ایک ایسا تاریخی ورثہ ہے جس کی تاریخ Steam Locomotives اور کوئلے کی کانوں والے پرانے قبضوں کے زمانے تک پھیلی ہوئی ہے۔

دنیا کی اس منفرد اور سب سے بڑی ٹیلی سکوپ کو قومی ریڈیو کے 13 ہزار مربع کلومیٹر والے غیر آمدورفت کے علاقے میں نصب کیا گیا ہے۔ یہ سنگل میں موجود مختلف اقسام کی رکاوٹوں کو دور کرنے کا کام بھی سرانجام دیتا ہے۔ Cass Science Rail Road پر واقع Rail Road Buff Block ایک ایسا تاریخی ورثہ ہے جس کی تاریخ Steam Locomotives اور کوئلے کی کانوں والے پرانے قبضوں کے زمانے تک پھیلی ہوئی ہے۔

دی گرین بریر ہٹل دنیا کے مشہور ترین ہوٹلوں میں سے ایک ہے جو کہ White Sulphur Spring میں واقع ہے۔ دوسری جگہ عظیم میں اس ہوٹل نے امریکی فوج کے لئے ہسپتال کی خدمات بھی سرانجام دیں۔ علاوہ ازیں جرمن اور جاپانی سفارتکاروں کے کفن دفن کا بندوبست بھی کیا گیا۔ صدر آئزن ہارنر بھی اس ہوٹل کو بہت پسند کرتے تھے۔ یہاں موجود گولف گراؤنڈ صدر موصوف کو بہت پسند تھا اسی بنا پر سرد جنگ کے زمانے صدر آئزن ہارنر کے ایک خصوصی خفیہ بکر بھی اسی ہوٹل میں بنوایا گیا تھا۔

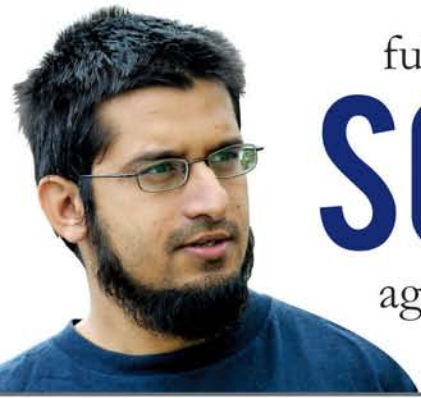
مغربی ورجینیا کی مشہور شخصیات

مغربی ورجینیا بہت سی مشہور شخصیات کا آبائی وطن ہے۔ Air Force کے مشہور ہوا باز چارلس جیک بھی اسی ریاست میں پل کر جوان ہوئے تھے۔ وہ Bell X-1 aircraft کی آزمائشی پرواز کے دوران پہلا پائلٹ تھا جس نے sound barrier پر یک کیا تھا۔ باسکٹ بال کے عظیم کھلاڑی جیری ویسٹ بھی مغربی ورجینیا کے ہی رہائشی تھے۔ Los Angeles اور قومی باسکٹ بال ایسوسی ایشن کے ساتھ کامیاب کیریئر کے آغاز سے قبل وہ مغربی ورجینیا کی یونیورسٹی میں ہی زیر تعلیم بھی رہے۔

تعلیم کی خدمت کے لیے مشعل راہ Tuskegee Institute کے بانی بوکر ٹی واشنگٹن نے اپنا بچپن اور لڑکپن مغربی ورجینیا میں ہی گزارا بعد ازاں انہوں نے الہامی Institute for African American کی بنیاد رکھی۔ فلموں میں دلچسپی رکھنے والے افراد مغربی ورجینیا کی حسین اداکارہ جینیفر گارنر سے ضرور آگاہ ہوں گے جنہوں نے بہت سی ہلاک بسٹر فلموں میں اپنی اداکاری کا جادو جگایا۔ وہ شہرہ آفاق آسکر ایوارڈ یافتہ Ben Affleck کی اہلیہ بھی تھیں۔

مغربی ورجینیا کی دلکش خوبصورتی اور جنگلات

مغربی ورجینیا کے ابتدائی رہائشیوں کے لئے ضروری تھا کہ اپنے آپ کو ان پہاڑوں میں زندگی گزارنے کے قابل بنانے کے لئے ٹھوس اور مربوط اعصاب تشکیل دیں سو ان کی حاصل یہ روحانی طاقت آج بھی ریاست کے باشندوں کی روح میں شامل ہے۔ ریاست کی علامت "Montani Semper Liberi" ہے یعنی "پہاڑوں کے باسی آزاد ہوتے ہیں"۔ یہ جملہ یہاں لوگوں کی بہادری کا عکاس ہے اور اس عہد کی یاد دلاتا ہے جب خانہ جنگی کے زمانے میں اس ریاست کے باسیوں نے آزادی کے حصول کو اپنا مقصد حیات بنایا تھا۔ ریاست کے نعرے بھی کیا دلکش احساس کے حامل ہیں۔ "Wild & Wonderful" جنگل اور خوبصورتی اور "Almost Heaven" "جنت نظیر" ہمارے عقیدے کو مزید پختہ کرتے ہیں کہ مغربی ورجینیا کے پہاڑی سلسلے دنیا بھر کے حسین ترین پہاڑی سلسلے ہیں۔ ان جنگلات کا روئے زمین پر کوئی غانی نہیں ہے۔ ہم یہاں کے رہنے والے، اپنے ماضی، اپنی وراثت اور اپنی تاریخ پر فخر مند ہیں اور ہم اپنے عظیم راز، اپنی سرزمین کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ ■



fulbright alum uses SCIENCE against suicide bombs

BY JEN MCANDREW

فلبرائٹ الم کا خودکش بم
حملوں کے خلاف سائنس کا استعمال

جین مک اینڈریو

Want to learn more about how computer scientists are using technology to fight terrorism? Check out the book "Simulation of Suicide Bombing: Using Computers to Save Lives" by Pakistani Fulbright alumnus Dr. Zeeshan-ul-hassan Usmani (Ph.D., Florida Institute of Technology, '09).

A prolific author, computer scientist, and self-described "shameless idealist," Zeeshan has also authored numerous technical papers, edited an anthology of Fulbright reminiscences, *Ambassadors of Peace*, and just published a new Urdu language novel called *The Journey of Endeavor*. To learn more about Zeeshan's important research, we asked him to answer a few questions for *Khabr-o-Nazar*.

Tell us about your book. How can computer software help investigators analyze bombings and pursue perpetrators of terror in Pakistan?

The book presents my Ph.D. work on the simulation and modeling of suicide bombings. To model a suicide blast is a very complex task—you need to know the characteristics of the explosive being used, crowd density and formation, physical properties of the environment, stand-off distances, probable injury patterns, shrapnel flight properties, and the psychological mindset of the victims and perpetrators. Once we input this information, we can answer several questions to reduce casualties and injuries, and this is exactly what my software is doing. It answers questions like, how many people will be killed and injured in a suicide blast for a particular scenario? What kind of injuries will result, i.e. lung rupture, amputation, laceration, burns, bruises? What would be the scaled-off distance? By knowing these answers, we can form recommendations that will reduce the casualties and injuries.

But doesn't computer modeling deal in hypotheticals? How does it really save lives?

The software can be specifically used in several ways to save lives:

- ◆ **Triage of Patients:** We can make a complete list of what to expect following a blast, i.e. how many dead versus how many injured, so we can plan how many paramedical staff and ambulances we might need, how many blood bottles, what kinds of injuries and surgeries we need to perform, and the complete medical supply list before an attack even happens.
- ◆ **Forensics Analysis:** When we don't know anything about the blast, the software has the capability to reverse-engineer the event, and help investigators find out what happened, when, how, the size of explosive being used, the type, and the crowd formation. Based on this analysis, investigators may be able to pin-point the terrorist outfit responsible for

کیا آپ جانتا چاہتے ہیں کہ کمپیوٹر کے سائنس دان ٹیکنالوجی کو دہشتگردی کے خلاف جنگ میں کیسے استعمال کرتے ہیں؟ اس کے لئے آپ "Simulation of Suicide Bombing: Using Computers to Save Lives" پڑھیں جسے ڈاکٹر ذیشان حسن عثمانی نے لکھا ہے جنہوں نے فلوریڈا انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی سے 2009 میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

انتھک مصنف، کمپیوٹر سائنسدان اور خود کو Shameless Idealist کہنے والے ذیشان نے کئی تکنیکی پیچہز تیار کئے ہیں۔ اس کے علاوہ *Ambassadors of peace* اور اردو میں ایک نیا ناول *Journey of Endeavor* of شائع کر چکے ہیں۔ ذیشان کی نئی تحقیق کے بارے میں مزید جاننے کے لئے ہم نے ان سے کچھ سوالات پوچھے:

ہمیں اپنی کتاب کے بارے میں کچھ بتانا پسند کریں گے؟ کمپیوٹر سافٹ ویئر تفتیش کاروں کو بم دھماکوں کا جائزہ لینے اور دہشتگردی کا ارتکاب کرنے والوں کا تعاقب کرنے میں کس طرح مددگار ثابت ہو سکتا ہے؟

اس کتاب میں خودکش بم حملوں اور ان کی تیاری کے بارے میں میرا پی ایچ ڈی کا سارا کام قلم بند ہوا ہے۔ خودکش دھماکے کا ماڈل تیار کرنا بہت پیچیدہ کام ہے۔ اس کے لئے حملوں میں استعمال ہونے والے دھماکہ خیز مواد، علاقے میں لوگوں کی بھیڑ، علاقے کے ماحولیاتی غدوخال، فاصلے، زیادہ لوگوں کو زخمی کرنے کا طریقہ کار، چھروں والے بارودی خصوصیات اور حملہ آوروں کا شکار بننے والوں کی ذہنیت کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ جب ہم یہ ساری اطلاعات کمپیوٹر میں ڈالتے ہیں تو ہم جانی نقصان کو کم سے کم کرنے کے لئے کئی سوالات کا جواب دے سکتے ہیں۔ یہی کچھ میرا تیار کردہ سافٹ ویئر کرتا ہے۔ یہ سافٹ ویئر ہمارے ان سوالات کے جوابات دیتا ہے، مثلاً اس صورتحال میں کتنے افراد مارے جانے اور زخمی ہونے کا اندیشہ ہے اور پیچیدہ دھماکے کے پھٹنے، جسم کے اعضا کا الگ ہونا، دل کی تکلیف، جھلنے اور دیگر نوعیت کی چوٹیں آنے کے کتنے امکانات ہیں؟ کتنے علاقے میں تباہی پھیل سکتی ہے؟ وغیرہ۔ ان سوالات کی بنیاد پر ہم تباہی مزید کم کر سکتے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر نقصان کی شدت کو بہت حد تک کم کیا جا سکتا ہے۔

لیکن کمپیوٹر کی ماڈلنگ مفروضوں کے بارے میں کام کرتی ہے تو یہ انسانوں کی زندگی میں کیسے مددگار ثابت ہوگا؟ یہ سافٹ ویئر انسانی زندگی بچانے میں کئی طرح سے مددگار ہو سکتا ہے:

زخمی ہونے والوں کے بارے میں

ہم ایک مکمل فہرست تیار کر سکتے ہیں کہ دھماکے سے کیا کچھ ہوگا۔ یعنی کتنے لوگ جاں بحق اور کتنے زخمی ہوں گے؟ اس طرح ہم منصوبہ بنا سکتے ہیں کہ صورتحال سے نمٹنے کے لیے کس طرح کا طبی عملہ اور کتنی ایبولینسز اور کتنی خون کی بوتلیں درکار ہیں؟ کس نوعیت کے زخم ہوں گے اور کس قسم کے آپریشن کرنا پڑیں گے۔ اس طرح ہم ایک مکمل میڈیکل فہرست تیار کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔

SIMULATION of SUICIDE BOMBING

Using Computers to Save Lives



ZEESHAN-UL-HASSAN USMANI and DANIEL KIRK

AMBASSADORS of Peace



EXPERIENCES OF PAKISTANI
and
US EXCHANGE SCHOLARS

Editors: Zeeshan-ul-hassan Usmani
Saadia Hassan

the attack by comparing the injury patterns of a blast with a historic database of data on suicide bombing attacks on which the software is based. A part of this database is available on my website www.PakistanBodyCount.org

- ♦ **Terrorism Forecast:** By using all the data we have accumulated over last eight years or so, we are using some dense mathematics to predict the next suicide bombing attack before it happens. This is a work in progress, and currently we are generating a few false alarms, but we can see a lot of improvements as we add more input to the database.

Wow! That sounds very useful. We look forward to learning more as it develops. So going back to your studies in the United States, what was the biggest lesson you learned?

The biggest lesson I've learned during my time in the United States is "justice for all." It doesn't matter if you are poor or rich; if there is a line, everyone stands in line regardless of their profession, political status, or well-being. I was in a queue in Disneyland once with the Governor of Florida. That's something that I can never imagine happening in my mother land. We need to tolerate each other, we need to respect conflicting views, we need to listen to opposing opinions, and we need to provide justice for all. That's the key to success and that's the difference that has kept us far away from nations like the United States.

How are you applying knowledge from your studies back here in Pakistan?

I learned quite a few things in United States. I am a different person now, whether it is my technical knowledge, who I am as a person, my professional ethics, work planning or taking a leadership role. I am trying to apply whatever I've learned during my work and family life bit by bit, but there is a huge reluctance and opposition here in general. Everyone is happy doing things the way they have been doing for the past couple of decades, and to bring about change in anything, from workplace to mindset changes, we need to be patient, and should propose the change logically and politely so everyone accepts it. I try to do one thing different every day and then spend the rest of the day managing the aftershocks!

We get lots of questions from young Pakistanis who are wondering if studying in the United States is right for them. What is your advice to them?

Here is my blunt answer: The United States is one of the best

فرانزک تجزیہ

اگر ہمیں بم دھماکے کے بارے میں کچھ علم نہ ہو تو اس سافٹ ویئر میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ واقعہ کا جائزہ پیش کرے اور تفتیش کاروں کو اس سلسلے میں مدد فراہم کرے کہ کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ اور کتنی مقدار میں اور کس قسم کا دھماکہ خیز مواد استعمال کیا گیا؟ لوگوں کا جھوم کتنا تھا؟ اس تجزیے کی بنیاد پر تفتیش کار اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ وہ زخمیوں کی نوعیت کو ماضی میں ہونے والے ان دھماکوں کے ساتھ تقابلی جائزے کی مدد سے ملوث دہشت گردوں کو پین پوائنٹ کر سکیں جن کی بنیاد پر یہ سافٹ ویئر تیار کیا گیا ہے۔ اس ڈیٹا میں کا ایک حصہ میری ویب سائٹ پر بھی موجود ہے۔

دہشت گردی کے بارے میں پیش گوئی

گزشتہ آٹھ سالوں کے دوران اکٹھے کئے گئے تمام ڈیٹا کو بروئے کار لاتے ہوئے ہم کسی بھی بم دھماکے سے قبل اس سے متعلق پیش گوئی کے بارے میں ایک پیچیدہ حساب لگاتے ہیں۔ یہ کام جاری ہے، آج کل ہم پیشگی آگاہی کے لیے کچھ الارمز بھی بنا رہے ہیں۔ بہر حال ہم اس ڈیٹا میں مزید ان پٹ ڈالنے کے بعد زیادہ بہتر کارکردگی کی امید رکھتے ہیں۔

واہ جی! یہ بڑا مفید دکھائی دے رہا ہے۔ امید ہے کہ اس میں ترقی کے ساتھ ساتھ ہمیں مزید بہت کچھ جاننے کا موقع ملے گا۔ امریکہ میں پڑھائی کے دوران آپ کو سب سے زیادہ کیا سیکھنے کو ملا؟

امریکہ میں وقت گزارنے کے دوران جو سب سے بڑا سبق مجھے ملا وہ ہے "سب کے لئے انصاف"۔ امریکہ میں چاہے کوئی غریب ہو یا امیر، یہاں انسان کے پیشے، سیاسی حیثیت یا امارت کی بناء پر کسی کو بھی کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے۔ میں نے ایک مرتبہ فلوریڈا کے گورنر کو ڈینی لینڈ میں اپنے ساتھ قطار میں کھڑا دیکھا۔ یہ ایسی چیز تھی جس کا میں اپنے ملک میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ہمیں ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی ضرورت ہے، ایک دوسرے کے خیالات کو عزت بخشے، مختلف خیالات کو سننے کے لیے برداشت کا مادہ پیدا کرنے اور ہر ایک کو یکساں انصاف فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔ یہی کامیابی کا راز ہے اور یہی ایک چیز ہے جس نے ہمیں امریکہ جیسے ترقی یافتہ ممالک سے دور رکھا ہے۔

آپ اپنے حاصل کردہ علم کو پاکستان میں کیسے بروئے کار لارہے ہیں؟

میں نے امریکہ میں بہت کچھ سیکھا ہے۔ میری زندگی بدل چکی ہے۔ چاہے میرا ٹیکنیکل علم ہو یا میری پیشہ ورانہ اخلاقیات۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ کام کو بہتر طریقے سے کر سکتا ہوں۔ میں نے جو کچھ سیکھا ہے، ذاتی زندگی اور پیشہ ورانہ زندگی میں اس پر عمل پیرا ہوں لیکن یہاں تبدیلی کو آسانی سے قبول نہیں کیا جاتا۔ یہاں پر موجود لوگ اس طریقے سے کام کرنے سے خوش ہیں جس طرح وہ گزشتہ دو دہائیوں سے کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اگر ہم یہاں پر کام کرنے کے طریقہ کار میں یا لوگوں کے ذہنی مزاج میں کسی قسم کی تبدیلی لانا چاہتے ہیں تو ہمیں نہایت صبر و تحمل اور اعلیٰ تدبیر سے ایذا دینا اختیار کرنا پڑے گا کہ لوگ اسے آسانی سے قبول کر لیں۔ میں ہر روز یہاں کسی ایک کام کو مختلف طریقے سے سرانجام دیتا ہوں اور پھر سارا دن اس کے اثرات کا جائزہ لیتا ہوں۔

ہمیں کئی پاکستانیوں کے سوالات موصول ہوتے ہیں کہ کیا امریکہ میں تعلیم حاصل کرنا ان کے

لئے درست ہے کہ نہیں۔ اس بارے میں آپ کا کیا مشورہ ہے؟

میرا واضح جواب یہ ہے کہ امریکہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لحاظ سے دنیا میں سب سے بہترین ملکوں میں سے ایک ہے۔ امریکہ میں آپ براہ راست ان لوگوں سے سیکھتے ہیں جو علم تخلیق کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کو ثقافت، حکومت اور اس بہت بڑے ملک کے بارے میں بھی بہت کچھ جاننے کا موقع ملتا ہے۔

جستجو کا سفر

جستجو کا سفر

یہ ایک داستان ہے اس مسافر کی جس کے رہبر اپنی سمت بار بار تبدیل کرتے رہے،
یہ کہانی ہے ایسے کردار کی جس کا مقصد خدا بخشوں کا حصول رہا گیا،
یہ قصہ ہے اک غریب کا جس پر معاشرے نے قرقی کے سارے دروازے بند کر دیے،
یہ سرگذشت ہے اس آشفستہ سر کی جس کے عزم کے سامنے کچھ نہ ٹھہر سکا،
یہ فریاد ہے اس مفلس کی جس پر زندگی منور کر دی گئی،
یہ قصہ ہے اس دیوانے کا جسکی دیوانگی اسے اپنے رب تک لے گئی،
اور یہ دہائی ہے ایک عبد اللہ کی جسے سب کچھ مل گیا سوائے اپنے رب کے۔



پوسٹ نمبر : 2110
فون : 051-2613911
ای میل : info@narratives.pk
ویب سائٹ : narratives.pk

ذیشان الحسن عثمانی

Price: 175/-

places on Earth to study. You will learn directly from those who are creating the knowledge, and will also get a chance to explore the culture, government, and daily life of the massive nation we call the United States of America.

Your new Urdu language novel Justuju Ka Safar (The Journey of Endeavor) has just been published by Narratives. What's it about?

After teaching and communicating with youth in Pakistan for the last four years since my return, I was shocked to realize that our biggest problem is clear vision. We are becoming a vision-less nation as a whole and chasing mundane goals and targets. I realize most of us spend half of our lives chasing so-called "success," and then the rest of the life spent on finding out what "significance" is. That's the hypothesis of this book. It explores why we need so-called "success" in the first place, and what happens after we have all we can wish for. How about doing something significant that will have an impact on the lives of people around us from the day one? By doing that, we will ultimately earn the success that is a bi-product of significance. I intentionally wrote this book in Urdu so a majority of my countrymen can read it. The second book of this three-part series is coming out next month and is called Ander Ka Musafir (The Traveler Within). The third part, Pachtawa (Regret), is due by the end of this year.

You've written more than a dozen books and don't seem to be showing any signs of stopping! For all those aspiring authors out there, how do you recommend they get started?

Pick up a pen, close your eyes, listen to your heart, and start jotting down the conversation that is happening between your heart and mind. When you open your eyes, you will have a masterpiece right there to get published. It would be so unique, catching, and absorbing that you wouldn't believe your own eyes. ■

Want to learn more about Zeeshan? Check out his 2010 Tedx Talk "Countering Terror with Technology" at: <http://www.youtube.com/watch?v=rLNg7tBXa1U>, and his blog at the Express Tribune: <http://blogs.tribune.com.pk/author/1152/zeeshan-ul-hassan-usmani/>.

آپ کا اردو ناول "جستجو کا سفر" حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ اس کا موضوع کیا ہے؟

امریکہ سے واپسی کے بعد گزشتہ چار سال سے یہاں پڑھانے اور لوگوں سے روابط کے ذریعے مجھے یہ حقیقت جان کر انتہائی حیرت ہوئی کہ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ ہمارے تصور کا واضح نہ ہونا ہے۔ ہم ایک ویژن سے محروم قوم بن چکے ہیں۔ ہم غیر حقیقی اہداف کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ مجھے اس بات کا ادراک ہے کہ ہم میں سے کئی لوگ نام نہاد مشہور یوں اور کامیابیوں کے حصول کے لئے نصف زندگی گزار دیتے ہیں اور باقی نصف یہ جاننے میں کہ ہماری زندگی میں کس چیز کی کیا اہمیت ہے؟ یہ ہی اس کتاب کا نظریہ ہے۔ بہترین کام وہ ہیں جو ہم شروع دن سے ہی دوسروں کے فائدے کے لئے کرتے ہیں۔ ایسے کام جن کی بدولت ہمارے ارد گرد لوگوں پر مثبت اثر پڑے۔ ایسے کام کرنے سے ہمیں لازوال کامیابی ملے گی جس کی سب سے زیادہ اہمیت ہے۔ میں نے یہ کتاب جان بوجھ کر اردو میں لکھی تاکہ ہمارے پاکستان کے زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے استفادہ حاصل کر سکیں۔ تین کتابوں پر مشتمل اس سیریز کا دوسرا حصہ اگلے مہینے آئے گا، جس کا عنوان "اندر کا مسافر" ہے۔ جبکہ آخری حصہ "پچھتاوا" سال کے آخر تک آئے گا۔

آپ نے ایک درجن سے زائد کتابیں لکھی ہیں اور یہ سلسلہ رکنا ہوا نظر نہیں آ رہا۔ مصنف بننے کا شوق رکھنے والوں کو آپ کیا مشورہ دیتے ہیں؟

بس قلم اٹھائیں، اپنی آنکھیں بند کریں اپنے دل کی کہیں اور وہ ساری باتیں رقم کرنا شروع کر دیں جو آپ کے دل و دماغ میں ہیں۔ جب آپ اپنی آنکھیں کھولیں گے تو آپ کے پاس شائع کرنے کے لئے ایک عمدہ سکرپٹ تیار چکا ہوگا۔ آپ کے دل سے نکلنے والے الفاظ اتنے منفرد، دل موہ لینے والے اور سبق آموز ہوں گے کہ جس کا آپ خود بھی تصور نہیں کر سکتے۔ ■

اگر آپ ذیشان کے بارے میں بارے میں مزید جاننا چاہتے ہیں تو آپ ان کی 2010 میں شائع ہونے والی کتاب Countering Terror with Technology کا مطالعہ کریں:

<http://www.youtube.com/watch?v=rLNg7tBXa1U>

یا ایکسپریس ٹریبون میں ان کا بلاگ:

<http://blog.tribune.com.pk/author/1152/zeeshan-ul-hassan-usmani/>

پڑھیں۔



U.S. AMBASSADOR RICHARD OLSON

inaugurated new English Language Learning Labs at the SOS Children's Village of Islamabad. The labs, equipped with 22 computers, furniture, a printer, and special English Language Software, will assist the children in improving their English Language Skills.

امریکی سفیر رچرڈ اولسن

نے انگلش لینگوئج کورس کا افتتاح کیا جس کا اہتمام ایس۔او۔ ایس چلڈرن ویلج اسلام آباد میں کیا گیا۔ اس کی لیہارٹری 22 کمپیوٹرز، فرنیچر، ایک پرنٹر اور سوشل لینگوئج کورس سافٹ ویئر بچوں کی مدد کریں گے تاکہ ان کی انگلش لینگوئج میں مزید نکھار پیدا ہو سکے۔

امبیسی کے فیس بک پیج پر Like کیجئے۔

"LIKE" the Embassy's Facebook page. [f /pakistanusembassy](https://www.facebook.com/pakistanusembassy)



Blended 328,
a U.S. country music band, and
The Sketches
perform together onstage
in Karachi

The Band Members
Bonded with children at
Dar ul Sakun,
home for physically & mentally
challenged people

امریکی میوزک گروپ بلینڈڈ 328

اور اسکچز کراچی میں مشترکہ طور پر فن کا مظاہرہ کر رہے ہیں

امریکی میوزک گروپ بلینڈڈ

جسمانی اور ذہنی معزوری کے شکار افراد کے مرکز دارالسکون میں بچوں کے ساتھ

امبیسی کے فیس بک پیج پر Like کیجئے۔

“LIKE” the Embassy’s Facebook page [f /pakistanusembassy](https://www.facebook.com/pakistanusembassy)